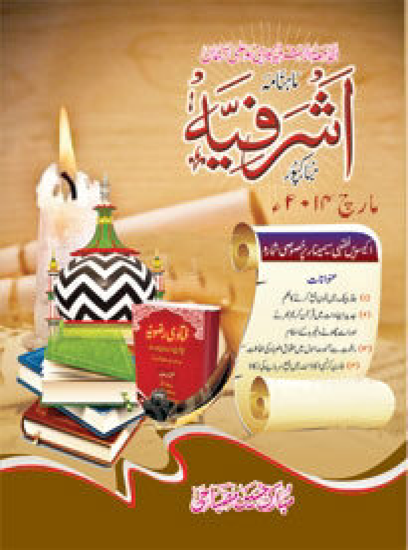

ماہنامہ
اشرفیہ
مبارکپور
مارچ ۲۰۱۳ء

مشمولات

خصوصی شمارہ — اکیسواں فقہی سیمینار، مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

زیرِ اہتمام: دار العلوم قادریہ، پونہ، بتاریخ ۱۵/۱۶/۱۷ رصفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۹/۲۰/۲۱ ردسمبر ۲۰۱۳ء

اداریہ — بیورلی ہلس، پونہ میں اکیسواں فقہی سیمینار — مبارک حسین مصباحی (۳)

خطبات

خوش آمدید — خطبۂ صدارت — عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ، سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ (۹)

دعوتِ فکر — خطبۂ صدارت — علامہ محمد احمد مصباحی (۱۰)

دعوتِ عمل — خطبۂ استقبالیہ — مولانا محمد نوشاد عالم خاں قادری مصباحی (۱۵)

اظہارِ مسرت — خطبۂ استقبالیہ — مفتی ایاز احمد مصباحی (۱۷)

منظرنامہ

چشم دید — اصحابِ مقالات و شرکاے سیمینار — مولانا عرفان عالم مصباحی (۱۸)

تلخیصات

خلاصۂ مقالات — بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کا حکم — مولانا محمد ناصر حسین مصباحی (۲۲)

خلاصۂ مقالات — جدید ایجادات میں قرآن کریم بھرنے اور اسے چھونے وغیرہ کے احکام — مولانا ساجد علی مصباحی (۲۸)

خلاصۂ مقالات — رشوت سے آلودہ ماحول میں حقوق العباد کی حفاظت — مولانا دستگیر عالم مصباحی (۳۹)

خلاصۂ مقالات — فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع سرمایے کی زکاۃ — مولانا نفیس احمد مصباحی (۴۳)

متفقہ فیصلے

اجتماعی نقطۂ نظر — عصر حاضر کے اہم اور ضروری مسائل کے فیصلے — مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی (۴۷)

برصغیر کی مشہور درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا

اشرفیہ کلینڈر 2014ء

شائع ہو چکا ہے۔

مختلف رنگوں میں اپنی نوعیت کا انتہائی خوب صورت کلینڈر ہے جس میں جامعہ کی دیدہ زیب تصاویر بھی ہیں اور دینی اور عصری معلومات کا خزانہ بھی۔

عام قیمت 25/-

رابطہ کا پتہ:
منیجر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یو پی)

تاجروں کے لیے 22/-

اداریہ

بیورلی ہلس پونہ میں اکیسواں فقہی سیمینار

عصری علوم اور جدید ایجادات کے اعتبار سے پونہ ہندوستان کا ایک خوب صورت شہر ہے۔ بعض علمی حیثیتوں سے یہ شہر ہندوستان بھر میں اپنی مثال آپ ہے۔ قابلِ مبارک باد ہیں محبِ گرامی حضرت مولانا نوشاد عالم خاں مصباحی غازی پوری کہ انھوں نے ۱۹۹۴ء کے آخر میں جامعہ قادریہ ٹرسٹ قائم فرمایا۔ یہ ٹرسٹ دین و سنیت کے فروغ کا ایک اہم علمی دینی ادارہ ہے اور خاص بات یہ ہے کہ روزِ اول ہی سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے اس کا انسلاک ہے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے محبِ گرامی حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی کو بھی بحیثیت ناظمِ اعلیٰ مدعو کیا اور پھر یہ علمی، دینی کارواں دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کا کرم ہے کہ اس کی ترقیوں کا سفر آج بھی جاری ہے۔ قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ اس ٹرسٹ نے طلبہ میں دینی تعلیم کے فروغ کے ساتھ اب طالبات کے درمیان بھی دین و سنیت کو عام کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اور طالبات کے لیے بھی باضابطہ اقامت گاہوں کا اہتمام ہے۔

امسال حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی نے مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ذمہ داروں سے گفتگو فرمائی اور پھر باضابطہ اکیسواں فقہی سیمینار کرانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ اس سیمینار کے لیے مفتی صاحب نے "بے ورلی ہلس ہوٹل" پونے کا انتخاب کیا۔ دار العلوم قادریہ پونے کے زیر اہتمام ۱۵/۱۶/۱۷/ صفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۹/۲۰/۲۱/ دسمبر (جمعرات، جمعہ، شنبہ) سیمینار منعقد ہوا۔ سیمینار اپنے مقاصد اور نتائج کے اعتبار سے بہت کامیاب رہا۔

امسال مجلس شرعی مبارک پور کے ذمہ داروں نے حسب ذیل پانچ موضوعات کا انتخاب کیا تھا۔

(۱) بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کا حکم

(۲) جدید ایجادات میں قرآن کریم بھرنے اور اسے چھونے وغیرہ کا حکم

(۲) رشوت سے آلودہ ماحول میں حقوق العباد کی حفاظت۔

(۴) فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع سرمایے کی زکاۃ کیسے ادا کی جائے؟

(۵) ہلالِ رمضان کے لیے فون سے ثقہ کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

ان موضوعات سے متعلق قریب چار مہینے پہلے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کے نام سوال نامے ارسال کیے گئے تھے۔ سیمینار سے قبل ۱۳۰/ مقالات موصول ہوئے، جن کے صفحات کی تعداد ۴۵۹ تھی۔

یہ فقہی سیمینار بے ورلی ہلس ہوٹل کے ایک خوب صورت ہال میں منعقد ہوا تھا، مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام بھی اسی خوب صورت اور آرام دہ ہوٹل میں تھا۔ یہ ہوٹل شہر کے کنارے پہاڑیوں کے دامن میں ہے۔ اہلِ تحقیق اور اہلِ افتا اس کی دلکش ہواؤں میں مسلسل سرشار رہتے تھے۔

۱۹/ دسمبر ۲۰۱۳ء جمعرات کی صبح تلاوت قرآن عظیم سے باضابطہ سیمینار کا آغاز ہوا۔ نعتِ نبی ﷺ کے ایمان افروز نغمے نے دلوں کو بے خود کر دیا۔ ہمارے معزز میزبانوں، جامعہ قادریہ کے بانی و صدر خلیفۂ تاج الشریعہ حضرت مولانا نوشاد عالم خاں مصباحی غازی پوری نے باضابطہ خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا۔ آپ نے حالات کے بدلتے تقاضوں کا ذکر کرتے ہوئے مجلسِ شرعی کی کوششوں پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش فرمائی اور اس سیمینار کو نہ صرف جامعہ قادریہ کے لیے بلکہ اہلِ پونے کے لیے نیک شگون قرار دیا۔ محب گرامی وقار حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی نے بھی خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور ذمہ دارانِ مجلس شرعی مبارک پور کی نوازشات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تمام مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ مسرت انگیز تاثرات کا اظہار کیا۔

اس کے بعد صدر مجلس شرعی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے اپنا بیش قیمت اور فکر انگیز خطبۂ صدارت پیش فرمایا۔ آپ

نے مقالہ نگار محققین کی مساعیِ جمیلہ کو سراہتے ہوئے اپنی قلبی مسرت اور ذہنی اطمینان کا اظہار کیا اور تمام مندوبین کرام کو دعاؤں سے نوازا۔[ربِّ کریم اُن کا سایۂ عاطفت ہم تمام مسلمانوں کے سروں پر تادیر قائم رکھے، آمین]

حضرت نے اپنے خطبۂ صدارت میں مجلس شرعی کے طریقۂ کار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: [جو حضرات مجلس شرعی کے سیمیناروں میں شریک ہوتے ہیں انھیں بخوبی معلوم ہے کہ آج بھی وہ روش برقرار ہے۔ سوالات اور اعتراضات کو سنجیدگی سے سنا جاتا ہے اور شافی حل نکالنے پر پوری کوشش صرف ہوتی ہے۔ ربِّ جواد و منان و وہاب اس علمی و تحقیقی روش کو ہمیشہ قائم رکھے اور ہر قسم کی نظر بد سے بچائے۔

ہمارے سیمیناروں میں شرکت کرنے والے حضرات کو معلوم ہے کہ جب کسی عنوان پر مقالات کی تلخیص پیش ہوتی ہے تو رایوں میں بڑا اختلاف نظر آتا ہے بعض اوقات دو مختلف رایوں میں سے ہر رائے پر دلیل کی قوت بھی نظر آتی ہے تلخیص میں ہر رائے کو اس کی دلیل کے ساتھ پوری دیانت داری سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ پھر جب سنجیدگی و متانت، اخلاص و حسن نیت اور دلائل و شواہد کی قوت کے ساتھ بحث ہوتی ہے تو ربِّ کریم کا فضل عظیم شامل حال ہوتا ہے اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ کسی قوی اور راجح دلیل کے باعث تمام مندوبین کا ایک رائے پر اتفاق ہو جاتا ہے۔ اور اسی کے مطابق فیصلہ درج کر لیا جاتا ہے۔

بالفرض کسی کو کوئی اختلاف ہوا اور جوابات سے اس کی تشفی نہ ہو سکی تو اسے تصدیقی دستخط ثبت کرنے سے آزاد رکھا جاتا ہے۔ کسی سے اس بات کی گزارش نہیں ہوتی کہ ہماری رعایت میں اپنے موقف کے خلاف دستخط کر دیجیے۔

ایک دو نظیریں ایسی بھی ہیں کہ کسی رائے پر سب کا اتفاق نہ ہو سکا تو اختلاف کی نشان دہی کے ساتھ فیصلہ درج کیا گیا۔ یہ بھی کسی جزئی فرعی رائے میں ہوا ورنہ اکثر مسائل بنیادی نقطۂ نظر کے اعتبار سے شافی حل سے ہمکنار ہوئے۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ ان فیصلوں کا مجموعہ جلد ہی اشاعت پذیر ہوگا جسے ملاحظہ فرمانے کے بعد اہلِ علم ان شرکاے مذاکرات کی تحقیقی کاوشوں کا مکمل نہیں تو کچھ اندازہ ضرور کر سکیں گے۔ رہے عوام تو وہ بھی اپنی ضرورتوں کا حل دریافت کر کے یقیناً مسرور ہوں گے۔

گذشتہ سال بیسواں فقہی سیمینار جامعہ البرکات علی گڑھ کی سرزمین پر سرکار مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین برکاتی دام ظلہ کی سرپرستی اور ان کے اعزّہ کے اہتمام و انتظام میں منعقد ہوا اس کے موضوعات یہ تھے:

(۱) انٹرنیٹ کے مواد و مشمولات کا شرعی حکم
(۲) عذر کے باعث طوافِ زیارت میں ایک یوم کی تاخیر
(۳) جینٹک ٹیسٹ کا شرعی حکم
(۴) دورِ حاضر میں چلتی ٹرین پر نماز کا حکم۔

ان موضوعات پر کھل کر بحثیں ہوئیں اور مسائل اپنے دلائل کے ساتھ حل کی منزل سے ہمکنار ہوئے جس سے علی گڑھ اور دیگر مقامات کی علمی فضا پر اچھا اثر قائم ہوا۔ فالحمد للہ علی ذلك.

مگر کچھ اپنے ہی کرم فرماؤں نے اپنے خاص سنی حنفی بھائیوں کے بعض حسّاس حلقوں میں اس کا سخت منفی اثر پیدا کرنے کی کوشش کی اور صرف چلتی ٹرین کا مسئلہ ذکر کیا گویا بیسویں فقہی سیمینار میں نہ کوئی دوسرا موضوع زیر بحث آیا، نہ اُس پر کوئی فیصلہ ہوا۔ اسی پر بس نہیں دیگر سیمیناروں میں جو فیصلے ہوئے انھیں بھی مبہم طور پر بے وقعت اور ناقابلِ التفات جتانے کی سعی ناروا، روا رکھی گئی۔ اِس سے بھی تسلی نہ ہوئی تو الجامعۃ الاشرفیہ کے پورے وجود کو نشانہ بنایا گیا اور ممبئی و پوربندر کی سرزمین سے اس پر علانیہ حملوں کا ''مجاہدانہ و بہادرانہ'' کارنامہ انجام دیا گیا۔ جس پر اہل سنت کو حیرت کے ساتھ افسوس بھی ہے کہ وہ ادارہ جو ماضی کی طرح حال میں بھی دین و مسلک کی نمایاں اور ممتاز خدمات انجام دینے میں منہمک ہے، جس کے فرزند آج بھی اہل باطل کے خلاف ملک و بیرونِ ملک ہر جگہ سینہ سپر ہیں اسے یوں نشانہ بنانا کسی طرح درست نہیں۔ ہاں! اس محاذ آرائی میں غیروں کے لیے مسرت و خوشی کا سامان ضرور ہے۔]

پہلی نشست کا موضوع تھا'' بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کا حکم''۔ اس کا سوال نامہ محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے مرتب فرمایا تھا جس میں انھوں نے خون اور اس کے اجزا کا جامع تعارف، خون کی مدتِ حیات، خون دینے والے کی صحت و عمر کا لحاظ، خون نکالنے کی مقدار، خون نکالنے سے پہلے اور اس کے بعد کی جانچ کے جملہ مراحل، مختلف نازک حالات میں مختلف اجزاے خون کے چڑھانے کی تفصیل، بلڈ بینک کی ضرورت و افادیت اور اس کے نہ ہونے سے مریضوں کے عظیم حرج و مشقت میں پڑنے جیسے تمام ضروری گوشوں پر بھرپور روشنی ڈالنے کے بعد یہ سوال قائم فرمایا تھا کہ -''مسلمانوں کا بلڈ بینک قائم کرنا اور اس میں اپنے خون جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟''

اس موضوع پر ۲۸؍ مقالات مجلس شرعی کو موصول ہوئے، جن کی تلخیص حضرت مولانا محمد ناصر حسین مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے کی تھی، موصوف نے تمام مقالات پڑھنے اور سب کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد درج ذیل تنقیح طلب امور بحث و مذاکرہ کے لیے پیش کیے تھے :

(۱) کیا حاجت و ضرورت کے تحقق سے پہلے محظور شرعی مباح ہو سکتا ہے ؟

(۲) کیا تخفیفِ احکام کے لیے ضرورت یا حاجت کے تحقق کا ظن غالب کافی ہوگا؟

(۳) کیا آج کے زمانے میں بلڈ بینک قائم کرنے کی شرعی ضرورت یا حاجت متحقق ہے ؟

(۴) بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کے سلسلے میں حاجت کس کے لیے ثابت ہے ؟ جو شخص مریض کے ساتھ ہو اس کے لیے، یا ڈاکٹر کے لیے، یا موقع پر موجود شخص کے لیے، یا ہم گروپ خون والے کے لیے، یا عمومی حاجت کے پیش نظر موجود، غیر موجود ہر کس و ناکس کے لیے ؟

(۵) موجودہ دور میں مسلمانوں کا بلڈ بینک قائم کرنا اور اس میں اپنے خون جمع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

ان امور پر خوب بحثیں ہوئیں اور آخر میں اس امر پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ عصر حاضر میں عمومی حاجت کے پیشِ نظر مسلمانوں کا بلڈ بینک قائم کرنا اور اس میں اپنا خون جمع کرنا جائز ہے۔ [فیصلہ کا متن مع دلائل اسی شمارہ میں آگے موجود ہے۔]

۱۵؍ صفر ۱۴۳۵ھ/۱۹؍ دسمبر ۲۰۱۳ء۔ شب جمعہ میں دوسری نشست کا آغاز ہوا، اس نشست کا موضوع تھا ”جدید ایجادات میں قرآن کریم بھرنے اور اسے چھونے وغیرہ کے احکام“۔ یہ سوال نامہ بھی سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی نے مرتب فرمایا تھا جس میں انھوں نے کمپیوٹر کے طریقۂ کار، وجودِ شے کے مراتب اور قرآن کریم کے حقیقی مواطنِ وجود اور تحقیقی مجازی شہود پر روشنی ڈالتے ہوئے زیر بحث مسئلہ کی تحقیق و تشریح اور صحیح حکم شرع کی تنقیح و تحقیق کے لیے چھ سوالات پیش کیے تھے :

ان سوالات کے تعلق سے ۳۳؍ مقالات مجلس شرعی کو موصول ہوئے، جو فل سکیپ سائز کے ۱۶۰؍ صفحات پر مشتمل تھے۔ ان کی تلخیص مولانا ساجد علی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے کی تھی، موصوف نے تمام مقالات پڑھنے اور سب کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد درج ذیل تنقیح طلب امور بحث و مذاکرہ کے لیے متعین کیے تھے:

(۱) موبائل، سی ڈی، کمپیوٹر، لیب ٹاپ، ٹیب لیٹ، آئی فون وغیرہ میں قرآن پاک کے نقوش اعداد وغیرہ کسی بھی شکل میں محفوظ ہوں تو وہ کلام الٰہی یعنی قرآن پاک ہیں یا نہیں ؟

(۲) میموری کارڈ، سی ڈی، ڈی وی ڈی یا کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک وغیرہ میں قرآن پاک محفوظ ہو تو اس صورت میں ان آلات کو بلا حائل، بے وضو چھونے کا کیا حکم ہے ؟

(۳) قرآن پاک کمپیوٹر یا موبائل وغیرہ جدید آلات کی اسکرین پر شکلِ مرسوم میں نمایاں ہو تو اس صورت میں ان آلات یا ان کی اسکرین کو بلا حائل ، بے وضو چھونے کا کیا حکم ہے ؟

(۴) ان جدید آلات کی میموری میں غزلیات، فلمی گانے، لطائف، طنز و مزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک یا اس کی بعض سورتوں کی تحمیل [UPLOAD] کا کیا حکم ہے ؟

(۵) ان جدید آلات میں قرآن پاک لوڈ ہو تو اس کا حذف [ڈیلٹ DELETE] جائز ہے یا نہیں ؟

(۶) جنب اور بے وضو کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا کیسا ہے ؟

ان میں پہلا سوال بہت اہم اور نازک تھا، اس سلسلے میں بعض علمائے کرام کا موقف یہ تھا کہ جو محفوظ ہے وہ کلام الٰہی یعنی قرآن پاک نہیں ہے۔ ان کی دلیل بظاہر بہت قوی اور واضح معلوم ہوتی تھی، ان کا کہنا یہ تھا کہ قرآن پاک خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ جیسا کہ آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ اور ان آلات میں جو کچھ محفوظ ہوتا ہے وہ ان کی بائنری زبان یعنی 0,1 کی شکل میں ہوتا ہے جیسا کہ بہت سے مصنفین و اہل قلم نے کمپیوٹر کے تعارف میں لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کمپیوٹر میں 0,1 کی شکل بنتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ 0,1 نظم عربی نہیں ہے؛ اس لیے اسے قرآن نہیں کہا جا سکتا۔

لیکن بعض دوسرے علمائے کرام نے کمپیوٹر سائنس کے ماہرین کے حوالے سے یہ تحقیق پیش کی کہ ان آلات میں 0,1 کی شکل محفوظ نہیں ہوتی ہے،

بلکہ ہر قسم کی آواز اور کلمات کچھ خاص قسم کے نشانات یا سوراخ کی شکل میں محفوظ ہوتے ہیں، ان میں کچھ گہرے بڑے اور کچھ چھوٹے ہوتے ہیں جب مشین شروع کرتے ہیں تو ان سوراخوں سے لائٹ گزرتی ہے پھر محفوظ آواز اور کلمات نکلتے ہیں، اس میں چھوٹے سوراخ کی تعبیر 0 سے کی جاتی ہے، اور بڑے سوراخ کی تعبیر 1 سے کی جاتی ہے، ہم اپنی آنکھوں سے سوراخوں کی یہ کمی بیشی محسوس نہیں کرپاتے، لیکن جب وہاں سے لائٹ گزارتے ہیں تو وہ احساس کرتی ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ان آلات میں محفوظ مواد کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو پہلے زمانے میں فونو کی پلیٹوں میں محفوظ مواد کی ہوتی تھی جس طرح ان پلیٹوں میں قرآن کریم کی قراءت وغیرہ محفوظ کرنے پر کچھ خاص قسم کے نشانات بنتے تھے اور جب دوبارہ سنا جاتا تھا تو وہی قراءت بعینہٖ سنائی دیتی تھی، اسی طرح عصر حاضر میں ان آلات میں جب قرآن کریم بذریعۂ کتابت یا قراءت محفوظ کیا جاتا ہے تو کچھ خاص قسم کے نشانات اور سوراخ بنتے ہیں اور جب ہم اسے دیکھنا یا سننا چاہتے ہیں تو بالکل وہی دیکھتے یا سنتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے جو کچھ ان آلات میں محفوظ کیا ہے وہی ان میں محفوظ ہے؛ اس لیے اس امر پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ ان جدید آلات میں قرآن پاک جس شکل میں بھی محفوظ ہوتا ہے وہ حقیقت میں کلام الٰہی یعنی قرآن پاک ہی ہے، اس کی مثال حافظ کے سینے میں یا فونو میں محفوظ قرآن حکیم کی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے رسالہ ”الکشف شافیاحکم فونو جرافیا“ میں اس تعلق سے بہت اہم اور تحقیقی گفتگو فرمائی ہے جو ان ہی کا حصہ ہے۔

اس طرح ہر مسئلہ پر خوب بحثیں ہوئیں اور دوسری، تیسری اور چوتھی نشست کا نصف حصہ اسی موضوع سے متعلق بحث و تحقیق میں تمام ہو گیا، لیکن توفیق الٰہی شامل حال تھی؛ اس لیے چوتھی نشست میں وقتِ نماز سے پہلے ہی اس موضوع کے تمام مسائل اپنے دلائل کے ساتھ حل کی منزل سے ہم کنار ہو گئے۔ [فیصلہ کا متن مع دلائل اسی شمارہ میں آگے موجود ہے]

۱۶ر صفر ۱۴۳۵ھ / ۲۰ر دسمبر ۲۰۱۳ء۔ شب شنبہ، چوتھی نشست میں نمازِ عشا کے بعد تیسرا مسئلہ زیر بحث آیا جس کا عنوان تھا ”رشوت سے آلودہ ماحول میں حقوق العباد کی حفاظت شرعی نقطۂ نگاہ سے“۔ اس کا سوال نامہ حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے مرتب فرمایا تھا جس میں انھوں نے ہندوستان کے اندر موجودہ وقت میں رشوت ستانی کا ناگفتہ بہ حال بیان کیا تھا، کہ بہت سارے کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتے، حکومت کے کارندے اسے اپنا حق سمجھتے ہیں، ملازمین کی تنخواہ نکالنی ہو، یا کوئی ملازمت حاصل کرنی ہو، کسی کام کا ٹھیکہ لینا ہو، یا مسلم کمپنی کو اپنی مصنوعات کی فروختگی کا آڈر لینا ہو، یا گاڑیوں کے لیے پرمٹ حاصل کرنا ہو، غرض کہ بہت سے کاموں کے لیے رشوت کا مطالبہ پہلے ہوتا ہے۔

مگر رشوت کے تعلق سے سخت شرعی پابندی بھی ہے کہ حدیث پاک میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں کو جہنمی کہا گیا ہے اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ بعض صورتوں میں شرع نے کچھ دینا جائز قرار دیا ہے، جو صورتاً رشوت ہوتی ہے؛ اس لیے سوال نامہ میں فتاویٰ رضویہ کا ایک مختصر اور فتح القدیر کا ایک مبسوط اقتباس نقل کرنے کے بعد ارباب فقہ و افتا سے دو سوال کیے گئے تھے:

(۱) ہمارے فقہا نے کن صورتوں میں رشوت دینے کی اجازت دی ہے؟

(۲) کیا آج کے حالات کے پیش نظر ان میں سے کوئی ایسی صورت پائی جاتی ہے جس پر عمل کر کے عوام گناہ سے بچ سکتے ہیں، یا اور کوئی اباحت وجواز کی صورت ہے؟

ان سوالوں کے تعلق سے ۲۰ر مقالات مجلس شرعی کو موصول ہوئے تھے، جو فل سکیپ سائز کے ۷۹ر صفحات پر مشتمل تھے۔ ان کی تلخیص مولانا دستگیر عالم مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے کی تھی۔

موصوف اپنی تلخیص پڑھ کر سنانے کے لیے تیار تھے کہ ناظم مجلس شرعی نے فرمایا: بیسواں فقہی سیمینار جو جامعۃ البرکات، علی گڑھ میں ہوا تھا اس کے فیصلے تنگیِ وقت کی وجہ سے رجسٹر میں درج نہ ہونے کے باعث ان پر مندوبین کرام کے دستخط نہیں ہو سکے تھے، اب وہ رجسٹر میں درج ہو چکے ہیں لہٰذا آپ حضرات ایک بار پھر ان فیصلوں کو بغور سن لیں، اس کے بعد ان پر تصدیقی دستخط ثبت فرمائیں۔

اس ضمن میں حضرت صدرِ مجلس شرعی نے بڑی کشادہ قلبی کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ فیصلے سننے کے بعد اگر کسی صاحب کو اختلاف ہو تو وہ ہرگز تائیدی دستخط نہ کریں بلکہ ممکن ہو تو اپنا اختلاف نوٹ کر دیں۔

تمام مندوبین کرام نے اس کی تائید کی، تو صدر مجلس شرعی کے حکم سے حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے ان

تمام فیصلوں کو پڑھ کر سنایا اور شرکاے سیمینار نے بغور سننے کے بعد ان پر اپنے دستخط ثبت فرمائے۔

اس اہم اور ضروری کاروائی کے بعد مولانا دستگیر عالم مصباحی نے اپنا خلاصۂ مقالات پڑھ کر سنایا، اس میں موصوف نے درج ذیل تنقیح طلب امور بحث و مذاکرہ کے لیے مقرر کیے :

(۱) رشوت کی جامع اور مانع اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

(۲) منصب قضا حاصل کرنے کے لیے، اسی طرح قاضی کو حق فیصلہ کے لیے بھی رشوت دینے کی حرمت قاضی شرع کے ساتھ خاص ہے یا غیر قضاۃ شرع کو بھی عام ہے؟۔

(۳) جلب نفع جس کے لیے رشوت کے جواز کا حکم ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ محض نفع کی تحصیل جیسے سیاسی نمائندوں کے رفاہی فنڈ سے امداد حاصل کرنا، یا وہ نفع جس کے لیے کام کرنا بھی لازم ہو جیسے ملازمت، ٹھیکہ داری وغیرہ؛ کیوں کہ ان امور میں جو نفع ہے وہ حقیقت میں کاموں کی اجرت اور اجیر کا حق ہے۔

(۴) جو ادارہ یا فرد حکومت یا کسی پرائیویٹ غیر مسلم کمپنی کی طرف سے مقررہ شرائط پوری نہ کرے وہ اگر اس کمی کے سبب رشوت دے کر اپنا کام بنا لے تو جلب نفع میں شمار ہو کر جائز ہوگا، یا نا جائز ہوگا؟۔

(۵) ایل، آئی، سی وغیرہ کمپنی کا ایجنٹ جسے اپنے کام کے مطابق اجرت ملتی ہے اگر وہ کسی کو ممبر بنانے، یا پہلے سے بنے ہوئے ممبر کو مزید کی ترغیب دینے کے لیے کچھ دے تو اس دینے اور لینے کا کیا حکم ہے؟ دونوں کے غیر مسلم ہونے والی صورت کو چھوڑ کر باقی تین عقلی صورتوں کے احکام یکساں ہیں، یا جدا جدا؟

(۶) اگر ایسا کوئی کام ہو جس میں رشورت دینے کی شرعاً اجازت نہ ہو تو کیا اس پر آنے والے بشمول رشوت مجموعی خرچ کو بطور اجرت دے کر کسی غیر مسلم سے کام کرانے کی اجازت ہوگی؟۔

(۷) اگر حق ثابت کی تحصیل کے لیے رشوت دینا جائز ہے تو فتاویٰ رضویہ کی اس عبارت کی صحیح توجیہ کیا ہوگی جس سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے؟۔

یہ سات امور سامنے آئے لیکن وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے اس پر بحث نہیں ہو سکی؛ اس لیے اگلی نشست میں اسے بحث کے لیے پیش کیا گیا۔

۱۷ر صفر ۱۴۳۵ھ /۲۱ر دسمبر ۲۰۱۳ء۔ شنبہ کی صبح پانچویں نشست میں ان امور پر کھلے دل سے خوب بحثیں ہوئیں اور بالآخر اس امر پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے رشوت کی جو وضاحت کی ہے وہ تمام گوشوں کو جامع ہے؛ لہٰذا فیصلے میں ان ہی کی عبارت نوٹ کر لی جائے وہ عبارت یہ ہے:

”جو پرایا حق دبانے کے لیے دیا جائے رشوت ہے، یوں ہی جو اپنا کام بنانے کے لیے حاکم کو دیا جائے رشوت ہے، لیکن اپنے اوپر سے دفع ظلم کے لیے جو کچھ دیا جائے دینے والے کے حق میں رشوت نہیں، یہ دے سکتا ہے، لینے والے کے حق میں وہ بھی رشوت ہے اور لینا حرام“۔

اور بحث و مباحثہ کے بعد تمام شرکاے سیمینار کا اس بات پر بھی اتفاق ہو گیا کہ رشوت لینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، ہاں! اپنے اوپر سے دفع ظلم و ضرر کے لیے بوجہ مجبوری دینے کی اجازت ہے۔

۱۷ر صفر ۱۴۳۵ھ /۲۱ر دسمبر ۲۰۱۳ء۔ شب یک شنبہ اس سیمینار کی چھٹی اور آخری نشست ہوئی، تلاوت قرآن کریم اور نعت نبی ﷺ سے نشست کا آغاز ہوا، اس کے بعد صدر اجلاس حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ دامت برکاتہم العالیہ، سرپرست مجلس شرعی و سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے خطبۂ صدارت پیش کیا، جس میں آپ نے مولانا نوشاد عالم مصباحی، مفتی ایاز احمد مصباحی، اور ان کے رفقاے کار کے حسن انتظام کو سراہتے ہوئے ان حضرات کی حوصلہ افزائی کی اور دعاؤں سے نوازا۔ اور مندوبین کرام کی سعی پیہم اور جہد مسلسل کا ذکر کرتے ہوئے اپنے قلبی اطمینان و مسرت کا اظہار فرمایا۔

اس کے بعد مذکورہ تینوں موضوعات سے متعلق طے شدہ امور پڑھ کر سنائے گئے اور الفاظ و تعبیرات میں معمولی ترمیم کے ساتھ فیصلے کی شکل میں محفوظ کر لیے گئے جو اسی شمارہ میں موجود ہیں۔

اس سیمینار کا چوتھا موضوع تھا ”فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع سرمایے کی زکات“۔ اس موضوع پر جمع شدہ مقالات کی تلخیص مولانا نفیس احمد مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے کی تھی۔ اس کے بعض ضروری گوشوں پر بحث ہوئی اور ایک ضروری گوشے پر بہ اتفاق رائے فیصلہ بھی ہو گیا جو آگے فیصلے میں درج ہے۔ اور پانچواں موضوع تھا ”ہلالِ رمضان کے لیے فون سے ثقہ کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟“۔ اس موضوع پر جمع شدہ مقالات کی

تلخیص مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے کی تھی۔ لیکن وقت ختم ہوجانے کی وجہ سے اس پر بحث نہ ہوسکی؛ انشاء المولیٰ تعالیٰ اگلے سیمینار میں ان امور پر بحث ہوگی اور جو کچھ طے ہوگا اسے قوم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

اس سیمینار کے لیے مندوبین کرام کے قیام و طعام کا انتظام اور ان کی میزبانی کے فرائض جامعہ قادریہ کے بانی حضرت مولانا نوشاد عالم مصباحی غازی پوری، مقیم افریقہ اور ناظم اعلیٰ حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی، اور ان کے رفقاے کار نے بحسن و خوبی انجام دیے۔ ہم ارکان مجلس شرعی، مبارک پور کی طرف سے اِن حضرات کا اور اُن تمام معاونین و محبین کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے علماے کرام کی خدمت و ضیافت میں کسی طرح کا کوئی حصہ لیا۔ ربّ کریم ہمارے تمام مخلصین، محبین، معاونین اور شرکاے سیمینار کو اپنی بے پایاں رحمتوں، برکتوں اور اپنے خصوصی فضل و کرم سے شاد کام فرمائے اور مزید خدمتِ دینِ متین کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ الصلاۃ والتسلیم۔

۱۸؍ صفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۲؍ دسمبر ۲۰۱۳ء کو اوم کار گارڈن گونڈوہ پونہ میں اجلاسِ عام کا انعقاد ہوا، جس کی صدارت عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے فرمائی۔ اجلاسِ عام بعد نمازِ مغرب شروع ہوا، نعتوں کے بعد نصف گھنٹے تک فقہی سوالات و جوابات کا سلسلہ جاری رہا۔ آئے ہوئے سوالات سنانے والے تھے حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی اور بحیثیت مفتی جواب دے رہے تھے سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی ناظم مجلس شرعی مبارک پور۔ فقہی سوال و جواب کا یہ معلومات افزا سلسلہ سامعین و حاضرین نے بہت پسند کیا۔

فقہی مسائل کے بعد پہلا خطاب خطیبِ شہیر حضرت مولانا نوشاد عالم خاں مصباحی نے فرمایا۔ آپ نے اپنے خطاب سے قبل ایک عشق انگیز نعت شریف پیش کی اور عشقِ رسول ﷺ کے حوالے سے فکر انگیز خطاب فرمایا۔ پھر حضرت مفتی عبد المنان کلیمی نگر مفتی شہر مراد آباد کا خطاب ہوا۔ آپ نے مسلکِ اعلیٰ حضرت کے موضوع پر انتہائی جامع خطاب فرمایا۔ تیسرا اہم خطاب نائب ناظم جامعہ اشرفیہ مبارک پور حضرت مولانا محمد ادریس بستوی نے فرمایا، آپ نے تاریخِ اسلام کے حوالے سے انتہائی جامع اور پر مغز خطاب فرمایا، مفکر اسلام حضرت مولانا یٰسٓ اختر مصباحی بانی و مہتمم دار القلم دہلی نے بھی معلومات افزا خطاب فرمایا۔ آپ نے مسلکِ اہلِ سنت و جماعت اور عصر حاضر کے برصغیر میں اس کی مترادف اصطلاح پر بھرپور روشنی ڈالی۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے صدر المدرسین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے انتہائی مختصر اور جامع خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ جدید دینی مسائل پر علما اور محققین کا مباحثہ کرنا اور فقہ حنفی کے اصول کی روشنی میں مسائل کا استخراج کرنا تمام علما کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اہم ذمہ داری کے لیے جامعہ اشرفیہ کی مجلس شرعی کا انتخاب فرمایا۔ قابلِ مبارک باد ہے دار العلوم قادریہ کی کمیٹی جس نے اکیسویں فقہی سیمینار کے انعقاد کی ذمہ داری قبول فرمائی اور بڑے حسنِ اہتمام سے اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا۔

آخری اور اہم خطاب کے لیے شہزادۂ حافظ ملت عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب تشریف لائے۔ آپ نے سب سے پہلے دار العلوم قادریہ کی کمیٹی کو جی بھر کے مبارک بادیوں کا گل دستہ پیش فرمایا، ان کے عزم و حوصلے اور نظم و نسق پر ہدیۂ تبریک پیش فرمایا، حضرت عزیز ملت نے عصر حاضر کے بدلتے تقاضوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ آج ضرورت ہے کہ علماے کرام اپنی منصبی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور فقہ حنفی کے اصول کی روشنی میں آج کے پیچیدہ مسائل کا حل پیش کریں۔ حضرت نے آج کے داخلی اختلاف و انتشار پر گہرے رنج و غم کا اظہار فرمایا اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا یہ قول یاد دلایا کہ "ہر مخالفت کا جواب کام ہے" انھوں نے بتاکید فرمایا کہ ہمیں دین و ملت کا کام پورے اخلاص و ہمت کے ساتھ انجام دینا ہے۔ اسی میں ہمارے لیے دنیا و آخرت کی سرخ روئی ہے اور دعا فرمائی کہ مولا تعالیٰ ہم سب سے وہ کام لے جس میں اس کی اور اس کے حبیب پاک ﷺ کی رضا و خوشنودی ہے۔ جانشینِ حافظ ملت حضرت عزیز ملت نے اپنے خطاب کے آخر میں خطیبِ شہیر حضرت مولانا نوشاد عالم خاں مصباحی اور مدبر ملت حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی صاحبان کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ امجدیہ عزیزیہ کی خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا، اعلانِ خلافت کے بعد اسٹیج سے سامعین تک فرحت و مسرت کی لہر دوڑ گئی اور ان دونوں نیک طینت اور خوش نصیب خلفاے کرام کو مبارک بادیوں کے گل دستے ملنا شروع ہوگئے۔

اجلاسِ عام کی نظامت کے فرائض راقم سطور مبارک حسین مصباحی نے انجام دیے۔ حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی کی دعا کے بعد ان دونوں حضرات نے یکے بعد دیگرے حضرت کی بے پایاں نوازشات کا شکریہ ادا کیا اور پھر مفتی ایاز احمد مصباحی نے اپنے تمام مہمانوں اور معاونین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اجلاس کے اختتام کا اعلان فرمایا۔ ☆☆☆

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اکیسویں فقہی سیمینار

منعقدہ بتاریخ : ۱۵/۱۶/۱۷ صفر ۱۴۳۵ھ/۱۹/۲۰/۲۱ دسمبر ۲۰۱۳ء

باہتمام: دار العلوم قادریہ پونہ، مہاراشٹر- بمقام: بے ورلی ہلس ہوٹل، پونہ، مہاراشٹر کا

خطبۂ صدارت

از: عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب مدظلہ العالی
سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ و سرپرست مجلس شرعی، مبارک پور

محترم المقام علمائے کرام و مفتیانِ ذوی الاحترام..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انتہائی مسرت و شادمانی کا موقع ہے کہ آج ہم جامعہ قادریہ کونڈوا پونہ کی دعوت پر مجلس شرعی مبارک پور کا اکیسواں فقہی سیمینار کر رہے ہیں۔ صد قابلِ مبارک باد ہیں جامعہ قادریہ کے بانی حضرت مولانا نوشاد عالم مصباحی حال مقیم ساؤتھ افریقہ اور جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی جن کی دعوت پر علمائے عظام اور محققینِ کرام کا یہ نورانی قافلہ یہاں جلوہ بار ہے۔ مولا تعالیٰ ان تمام علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کو بے پناہ برکتوں اور نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

آج ہم لوگ اس عظیم الشان ہوٹل میں بیٹھے جو فقہ حنفی کے اہم مسائل پر غور و فکر کر رہے ہیں، ایسا صرف سوچ لینے ہی سے ممکن نہیں ہوا بلکہ پہلے مفتی ایاز احمد مصباحی صاحب نے اپنے احباب اور معاونین سے مشورہ کیا، پھر وہ جامعہ اشرفیہ تشریف لائے، ہم لوگوں سے گفتگو کی، ہم لوگوں نے اثبات میں جواب دیا، پھر کئی نشستیں مجلس شرعی کی جامعہ اشرفیہ میں ہوئیں، موضوعات کا انتخاب ہوا، سوالات کی تیاری ہوئی، مقالات جمع ہوئے اور پھر مقالات کی تلخیصات آئیں اور اب تلخیصات لے کر ہم لوگ اس خوب صورت ہوٹل تک پہنچے۔ ان تمام کاموں میں بنیادی کردار ہمارے محبِ مکرم حضرت مولانا محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی اور سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی اور ان دونوں کے اہلِ علم محبین کا ہے۔ ہم اس موقع پر مبارک باد پیش کرتے ہیں ہندوستان بھر کے ان اہلِ علم اور اہلِ افتا کو جنھوں نے زیرِ بحث مسائل پر مطالعہ و تحقیق کی اور انتہائی متانت و سنجیدگی سے مسائل کے حل کی جد و جہد فرمائی۔

ہم ایک بار پھر اپنے داعیانِ کرام اور ان کے معاونین کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اس عظیم کام کے بارے میں پیش قدمی فرمائی اور عصر حاضر کے اہم ترین پیچیدہ مسائل کے حل کی جانب عملی طور پر قدم بڑھایا، محترم حضرات! آپ لوگ ہر سال سیمینار کے اختتام پر فیصلوں کی رپورٹ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے خصوصی شمارے میں دیکھ لیتے ہیں، انشاء اللہ امسال کی رپورٹ بھی آپ جلد ہی پڑھ لیں گے، مقامِ مسرت یہ ہے کہ امسال عرس حافظ ملت کے حسین موقع پر وہ تمام فیصلے یکجا کتابی شکل میں بھی منظرِ عام پر آجائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

دعا ہے مولا تعالیٰ ہم سب کو دین و سنیت کی مزید خدمات انجام دینے کی توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اکیسویں فقہی سیمینار

منعقدہ بتاریخ : ۱۵/۱۶/۱۷ صفر ۱۴۳۵ھ / ۱۹/۲۰/۲۱ دسمبر ۲۰۱۳ء

باہتمام: دار العلوم قادریہ پونہ، مہاراشٹر- بمقام: بے ورلی ہِلس ہوٹل، پونہ، مہاراشٹر کا

خطبۂ صدارت

از: علامہ محمد احمد مصباحی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حضرات! یہ دار العلوم قادریہ پونہ کے زیر اہتمام مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا اکیسواں فقہی سیمینار ہے جو مہاراشٹر کے مشہور شہر پونہ کی سرزمین پر منعقد ہو رہا ہے۔ میں اس سیمینار میں آپ حضرات کی تشریف آوری پر خیر مقدم کرتا ہوں اور آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے قدوم میمون سے ہمیں ممنون فرمایا۔ یہی نہیں بلکہ چند ماہ قبل جب مجلس شرعی کے سوالات آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے اپنی دیگر علمی، دینی اور ذاتی و خانگی مصروفیات سے اِن سوالات کے جوابات تیار کرنے کے لیے اپنا قیمتی اور اہم وقت نکالا اور حل تک رسائی کے لیے حسب وسعت سعیِ بلیغ فرمائی اور اب ابحاث و مذاکرات میں بھی حصہ لے کر مسائل کو روشن و منقح اور فیصل کرنے کے لیے اپنی فکری و علمی توانائیاں صرف کریں گے۔ یہ ساری مساعیِ جمیلہ ہمارے لیے مزید تشکر و امتنان اور قلبی مسرّت و اطمینان کا ہمّت افزا سامان ہیں۔ ربّ کریم سب کو اپنی جزائے فراواں اور نعمتہائے بے پایاں سے نوازے۔ آمین یا اکرم الاکرمین.

دوسری طرف ہم دار العلوم قادریہ کے صدر مولانا نوشاد عالم مصباحی غازی پوری مقیم افریقہ، ناظم اعلیٰ مولانا ایاز احمد مصباحی اور دیگر ارکان و معاونین اور محبین و مخلصین کے بھی شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اکیسویں فقہی سیمینار کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ اس راہ میں جامعہ اشرفیہ کو اپنے بیش بہا تعاون سے نوازا اور اِس علمی و فقہی کارواں کی راحت و ضیافت کے لیے اپنی قربانیاں پیش کیں۔ یقیناً یہ حضرات اپنی سعادت اور علم و علما سے والہانہ محبت کے باعث آپ کی دعاؤں کے مستحق ہیں۔ رب جلیل انھیں دارین کی فیروز مندیوں سے سرفراز بنائے۔

حضرات! مجلس شرعی کے مذاکرات کی یہ دیرینہ روایت ہے کہ اس میں ہر صاحب علم کو سنجیدگی اور متانت کے ساتھ کھل کر بحث کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ ایک مندوب نے کوئی رائے پیش کی اور دوسرے کو اس سے اختلاف ہے تو وہ برملا اس کا اظہار کرتا ہے۔ ایک نے کوئی دلیل یا کوئی عبارت اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کی اور دوسرے کی نظر میں اس کے خلاف کوئی دلیل یا کوئی عبارت ہے تو وہ اسے سامنے لاتا ہے، کسی نے کوئی نظریہ پیش کیا جس کی دلیل لوگوں کی نظر میں نہیں تو اُس سے دلیل کا مطالبہ ہوتا ہے۔ میں کئی سال پہلے اپنے ایک مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ اسبابِ ستّہ سے متعلق مذاکرات میں ایک بار فقہاے کرام کے ارشاد ”الحاجۃ قد تتنزل منزلۃ الضرورۃ“ پر یہ سوال ہوا کہ وہ کون سے مواقع ہیں جہاں حاجت بمنزلۂ ضرورت قرار پاتی ہے؟ بہت سے لوگوں نے جواب دینے کی کوشش کی مگر ہر جواب پر اعتراض وارد ہوتا رہا۔ کافی دیر کے بعد نائب مفتی اعظم ہند حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ نے اپنے جنچے تُلے جامع ومانع الفاظ میں اس کی وضاحت فرمائی۔ اس پر کوئی اعتراض تو نہ ہو سکا مگر خاص طور سے نوجوان مندوبین کی جانب سے بیک زبان اس کا مطالبہ ہونے لگا کہ حضرت! اس پر کوئی حوالہ پیش فرمائیں۔ یہ نوجوان علما حضرت شارح بخاری کے تلامذہ کے تلامذہ کی صف میں آتے تھے اور ان کے علمی پوتوں کی حیثیت رکھتے تھے مگر وہ حضرت سے مرعوب ہو کر خاموش نہ رہے اور نہ حضرت نے اپنی لمبی عمر اور طویل فقہی تجربات کا حوالہ دے کر انھیں خاموش کرنے کی کوشش کی بلکہ فرمایا کہ ”مجھے خوشی ہے کہ مجھ سن رسیدہ سے آپ لوگ مرعوب نہ ہوئے اور مجھ سے بھی حوالے کا مطالبہ کر دیا۔ اس سے مجھے امید ہے کہ ہمارے بعد بھی آپ یہ علمی و فقہی کام پوری تحقیق و تنقیح کے ساتھ انجام دیتے رہیں گے اور کسی سے مرعوب ہو کر کوئی بے دلیل بات قبول نہ کریں گے۔“ جو حضرات مجلس شرعی کے سیمیناروں میں شریک ہوتے ہیں انھیں بخوبی معلوم ہے کہ آج بھی وہ روِش برقرار ہے۔ سوالات اور اعتراضات کو سنجیدگی سے سنا جاتا ہے اور شافی حل نکالنے پر پوری

صدر مجلس شرعی و صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

کوشش صرف ہوتی ہے۔ ربِّ جواد و منان و وہاب اس علمی و تحقیقی روش کو ہمیشہ قائم رکھے اور ہر قسم کی نظرِ بد سے بچائے۔

ہمارے سیمیناروں میں شرکت کرنے والے حضرات کو معلوم ہے کہ جب کسی عنوان پر مقالات کی تلخیص پیش ہوتی ہے تو رایوں میں بڑا اختلاف نظر آتا ہے۔ بعض اوقات دو مختلف رایوں میں سے ہر رائے پر دلیل کی قوت بھی نظر آتی ہے تلخیص میں ہر رائے کو اس کی دلیل کے ساتھ پوری دیانت داری سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ پھر جب سنجیدگی و متانت، اخلاص و حسنِ نیت اور دلائل و شواہد کی قوت کے ساتھ بحث ہوتی ہے تو ربِّ کریم کا فضلِ عظیم شاملِ حال ہوتا ہے اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ کسی قوی اور راجح دلیل کے باعث تمام مندوبین کا ایک رائے پر اتفاق ہو جاتا ہے۔ اور اسی کے مطابق فیصلہ درج کر لیا جاتا ہے۔

بالفرض کسی کو کوئی اختلاف ہوا اور جوابات سے اس کی تشفی نہ ہو سکی تو اسے تصدیقی دستخط ثبت کرنے سے آزاد رکھا جاتا ہے۔ کسی سے اس بات کی گزارش نہیں ہوتی کہ ہماری رعایت میں اپنے موقف کے خلاف دستخط کر دیجیے۔

ایک دو نظیریں ایسی بھی ہیں کہ کسی رائے پر سب کا اتفاق نہ ہو سکا تو اختلاف کی نشان دہی کے ساتھ فیصلہ درج کیا گیا۔ یہ بھی کسی جزئی فرعی رائے میں ہوا ورنہ اکثر مسائل بنیادی نقطۂ نظر کے اعتبار سے شافی حل سے ہمکنار ہوئے۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ ان فیصلوں کا مجموعہ جلد ہی اشاعت پذیر ہوگا جسے ملاحظہ فرمانے کے بعد اہلِ علم اِن شرکاے مذاکرات کی تحقیقی کاوشوں کا مکمل نہیں تو کچھ اندازہ ضرور کر سکیں گے۔ رہے عوام تو وہ بھی اپنی ضرورتوں کا حل دریافت کر کے یقیناً مسرور ہوں گے۔

گذشتہ سال بیسواں فقہی سیمینار جامعہ البرکات علی گڑھ کی سرزمین پر سرکار مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین برکاتی دام ظلہ کی سرپرستی اور ان کے اعزّہ کے اہتمام و انتظام میں منعقد ہوا اس کے موضوعات یہ تھے:

(۱) انٹرنیٹ کے مواد و مشمولات کا شرعی حکم

(۲) عذر کے باعث طوافِ زیارت میں ایک یوم کی تاخیر

(۳) جینٹک ٹیسٹ کا شرعی حکم

(۴) دورِ حاضر میں چلتی ٹرین پر نماز کا حکم۔

ان موضوعات پر کھل کر بحثیں ہوئیں اور مسائل اپنے دلائل کے ساتھ حل کی منزل سے ہمکنار ہوئے جس سے علی گڑھ اور دیگر مقامات کی علمی فضا پر اچھا اثر قائم ہوا۔ فالحمد للہ علی ذلك.

مگر کچھ اپنے ہی کرم فرماؤں نے اپنے خاص سنی حنفی بھائیوں کے بعض حسّاس حلقوں میں اس کا سخت منفی اثر پیدا کرنے کی کوشش کی اور صرف چلتی ٹرین کا مسئلہ ذکر کیا گویا بیسویں فقہی سیمینار میں نہ کوئی دوسرا موضوع زیرِ بحث آیا، نہ اُس پر کوئی فیصلہ ہوا۔ اسی پر بس نہیں دیگر سیمیناروں میں جو فیصلے ہوئے انھیں بھی مبہم طور پر بے وقعت اور ناقابلِ التفات جتانے کی سعیِ ناروا، روا رکھی گئی۔ اِس سے بھی تسلی نہ ہوئی تو الجامعۃ الاشرفیہ کے پورے وجود کو نشانہ بنایا گیا اور ممبئی و پوربندر کی سرزمین سے اس پر علانیہ حملوں کا "مجاہدانہ و بہادرانہ" کارنامہ انجام دیا گیا۔ جس پر اہلِ سنت کو حیرت کے ساتھ افسوس بھی ہے کہ وہ ادارہ جو ماضی کی طرح حال میں بھی دین و مسلک کی نمایاں اور ممتاز خدمات انجام دینے میں منہمک ہے، جس کے فرزند آج بھی اہلِ باطل کے خلاف ملک و بیرونِ ملک ہر جگہ سینہ سپر ہیں اسے یوں نشانہ بنانا کسی طرح درست نہیں۔ ہاں! اس محاذ آرائی میں غیروں کے لیے مسرت و خوشی کا سامان ضرور ہے۔

چلتی ٹرین میں نماز کا مسئلہ مجلس شرعی سے نشر شدہ دو کتابوں میں پوری علمی و تحقیقی متانت کے ساتھ بغیر کسی گالی گلوچ کے واضح کیا جا چکا ہے۔

(۱) فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے۔

(۲) چلتی ٹرین میں نماز کا حکم —— اہلِ علم اِن دونوں کا مطالعہ کر لیں، اِن شاء اللہ پوری تشفی ہو جائے گی۔

اس کے بعد یہاں اسے بیان کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی مگر توضیح مزید کے لیے میں بھی اپنے الفاظ میں کچھ عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ خدا نے چاہا تو رائیگاں نہ ہوگی۔

ہم اس بات کے قائل ہیں کہ نماز یا وضو و غسل سے رکاوٹ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو رب کی طرف سے ہو، دوسری وہ جو بندوں کی طرف سے ہو۔ اول میں جس طرح ہو سکے نماز ادا کر لے اور بعد میں اعادہ نہیں۔ دوم میں جیسے ہو سکے ادا کر لے پھر جب رکاوٹ جاتی رہے تمام شرطوں کے ساتھ اعادہ کرے۔ یہ حکم فرض و واجب یا ملحق بواجب نمازوں کے لیے ہے۔

کتبِ فقہ میں بندوں کی جانب سے رکاوٹ کے تحت یہ مثالیں دی گئی ہیں (۱) کسی شخص کو کسی دشمن نے قید کر لیا اور وضو یا نماز کی مہلت نہیں دیتا (۲) پانی پر دشمن ہے اور دھمکی دے چکا ہے کہ تم ادھر آئے تو قتل کر دوں گا یا ہاتھ پاؤں توڑ ڈالوں گا (۳-۴) یا پانی سے وضو و غسل کرنے پر یا باوضو کو نماز پڑھنے پر اس طرح کی دھمکی دے رہا ہے اور نمازی کو غالب گمان ہے کہ دشمن جو کہہ رہا ہے اسے کر گزرے گا تو ان حالتوں میں اسے حکم ہے کہ جیسے ہو سکے نماز ادا کر لے پھر بعد زوالِ مانع اعادہ کرے۔

اس مضمون کے فقہی جزئیات میں یہ امر بالکل واضح ہے کہ کوئی شخص نمازی کو براہ راست نماز یا وضو وغسل سے روکنے والا ہے۔ آج بھی کوئی شخص اس طرح کسی نمازی کو براہ راست نماز یا وضو وغسل سے روکے تو اس کے منع من جہۃ العبد ہونے میں کوئی کلام نہیں، اور حکم وہی ہو گا کہ فی الحال جیسے ہو سکے ادا کر لے اور زوالِ مانع کے بعد اعادہ کرے۔

اب ریلوے نظام پر غور کریں تو مختلف صورتیں سامنے آئیں گی:

(۱) ابتدا میں یہ حال تھا کہ ٹرینوں میں پانی کا انتظام نہ ہوتا۔ بعد میں کچھ ٹرینوں میں انتظام رہنے لگا۔ اب تقریباً سبھی ٹرینوں میں پانی موجود ہوتا ہے۔ اس لیے وضو وغسل سے رکاوٹ جاتی رہی۔

(۲) اعلیٰ حضرت اور محدث سورتی علیہما الرحمہ کے زمانے میں بالعموم ٹرینوں کے اسٹاپ قریب قریب اور ٹھہرنے کے وقفے زیادہ تھے اس لیے محدث سورتی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ مجھے سو بار سے زیادہ ٹرین سے سفر کا اتفاق ہوا، ایک اسٹیشن پر اتر کر وضو کر لیا، دوسرے اسٹیشن پر اتر کر نماز پڑھ لی، کبھی چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے کی نوبت نہ آئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُس زمانے کا حال یہ تھا کہ ذرا اہتمام کر لیا جائے تو ٹرین سے اُتر کر باضابطہ زمین پر نماز کی ادائگی میسّر تھی۔

(۳) اب یہ حال ہے کہ بہت سی ٹرینیں بعض نمازوں مثلاً عصر یا مغرب یا فجر کے پورے وقت میں ایک بار بھی نہیں رکتیں اور کبھی رکتی ہیں تو اس قدر کم کہ اتنے وقفے میں نماز کی ادائگی نہیں ہو پاتی۔ اور اب چند سالوں سے کچھ ایسی ٹرینیں بھی چلی ہیں جو ظہر وعشا کے اوقات میں بھی نہیں رکتیں۔

(۴) پہلے ریلوے نظام، حکومت نے پرائیویٹ کمپنیوں کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ انھوں نے ٹرینوں کے ٹھہرنے کے اوقات میں انگریزوں کے کھانے کی رعایت رکھی تھی۔ بعد میں یہ نظام جب حکومت نے خود اپنے ہاتھوں میں لیا تب بھی وقفۂ طعام کی رعایت برقرار رہی۔ اب بیس سال یا زیادہ عرصے سے یہ حال ہے کہ ٹرینوں کے ٹھہرنے میں کھانے کے اوقات کی خاص رعایت بالکل نہ رہی۔ رکتی ہیں تو سب کے لیے، نہیں رکتی ہیں تو کسی کے لیے نہیں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ محکمۂ ریلوے براہ راست ادائے نماز سے مانع کبھی نہ رہا پھر اسے نماز سے مانع کیوں قرار دیا گیا؟ —— وجہ یہ ہے کہ نماز کے لیے ایک شرط استقرار علی الارض ہے جو ٹرین رواں رہنے کی صورت میں پوری نہیں ہوتی۔ اگر محکمۂ ریلوے اوقاتِ طعام کی طرح اوقاتِ نماز میں ٹرین روکنے کا انتظام کرتا تو یہ شرط ضرور پوری ہو جاتی۔ مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں اس نے انگریزوں کے کھانے کے لیے ٹرین روکنے کی رعایت رکھی، مسلمانوں کی نماز کے لیے یہ رعایت نہ رکھی، اس لیے امام اہل سنت قدس سرہ نے اسے مانع اور اس منع کو منع من جهة العباد قرار دیا اور اپنی عبارت کے مفہوم سے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اگر ٹرین انگریزوں کے طعام اور مسلمانوں کی نماز کسی کے لیے نہ روکی جاتی اور صرف چلنا ہی چلنا اور منزل تک پہنچنا، پہنچانا ہی مقصود ہوتا تو اُسے بالواسطہ مانع اور اس رکاوٹ کو منع من جهة العباد قرار نہ دیا جاتا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے الفاظ ملاحظہ کریں:

" انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من جہۃ العباد ہوا، اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعد زوالِ مانع اعادہ کرے"۔

(فتاوی رضویہ ج ۳، ص ۴۴ سنی دار الاشاعت، مبارک پور)

منع من جهة العباد ہونے کی تفریع دو امروں پر ہے انگریزوں کے کھانے کے لیے روکنا، اور نماز کے لیے نہ روکنا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر دونوں کے لیے "نہ روکنا" ہو تو منع من جهة العباد نہیں۔ صرف ایک امر کو لینا اور دوسرے کو ساقط کر دینا کسی طرح قرینِ انصاف نہیں۔

اس سے زیادہ واضح اور متفق علیہ مسئلہ شتربانوں کے قافلے کا ہے۔ وہ اونٹوں کو ایک بار دوپہر میں روکتے، دوسری بار رات کو نصف شب کے قریب روکتے۔ حنفیوں کو عصر ومغرب سواری سے اتر کر پڑھنے کا موقع نہ ملتا۔ انھیں حکم ہوا کہ چلتی سواری پر نماز پڑھ لیں اور اعادے کی حاجت نہیں۔ اس لیے کہ سارے شتربانوں کا مقررہ قاعدہ صرف دو بار رکنے کا تھا جس کی وہ پابندی کرتے۔ شتربان سب بندے تھے، ہر ایک کو عصر ومغرب کے اوقات میں اپنا اونٹ روکنے کا پورا اختیار تھا، ان کے اوپر حکومت یا حکومت کے کسی محکمے کی جانب سے کوئی پابندی نہ تھی، نہ کسی جرمانے یا جیل جانے کا کوئی خطرہ، بس وہ اپنے مقررہ ضابطے کے باعث مذکورہ اوقات میں سواریاں نہ روکتے۔ یہ نہ روکنا ان بندوں کا اپنا مصنوعی اور اختیاری عمل تھا اس لیے اسے منع من جہۃ العباد قرار دے کر سواری پر ادا کی ہوئی نماز کے اعادے کا حکم ہو سکتا تھا مگر نہ ہوا حالاں کہ اس سواری پر صرف استقرار علی الارض اور اتحادِ مکان کی شرط ہی فوت نہ ہوتی تھی، کئی رکن اور فرض بھی فوت ہوتے تھے یعنی قیام، رکوع، سجود بروجہِ معروف ادا نہ ہوتے جب کہ چلتی ٹرین میں قیام، رکوع، سجود، قومہ وغیرہ بروجہِ معروف ادا ہو جاتے ہیں۔ شرط کے ساتھ مذکورہ فرائض فوت ہونے کا تقاضا تو اور سخت تھا کہ اونٹوں پر بروجہ ممکن نماز ادا کرنے کے بعد اعادہ کا حکم ضرور ہو۔ اگر کہا جائے کہ مسافر کو تنہا اترنے میں جان ومال کے ضیاع کا اندیشہ تھا اس لیے یہ منع من جہۃ العباد نہ قرار پایا تو ہم کہیں گے کہ یہ خطرہ بھی تو ان شتربانوں کے سواریاں نہ روکنے ہی کی پیداوار ہے اس لیے اس کی نسبت بھی بندوں ہی کی طرف ہونی چاہیے، پھر اس طرح کا خطرہ تو آج

ٹرینوں سے اترنے میں بھی موجود ہے۔ کم از کم تشقیق نفس -مال- کی بربادی، ریزرویشن ٹکٹ کا نقصان، وقت کا ضیاع، مقصد سفر کی ناکامی، یا مشکلات کی افزونی تو ضرور موجود ہے۔ اس کے باوجود اگر ٹرین ہی پر نماز پڑھوا کر اعادہ کروانا ضروری ہے تو اونٹوں پر بھی نماز پڑھوا کر اعادہ کا حکم ہونا چاہیے تھا۔ غور کیجیے تو وجہ یہی ہے کہ شتربانوں کا مقصد حنفیوں کو نماز سے روکنا نہ تھا، انھیں صرف منزل تک پہنچنے پہنچانے سے سروکار تھا، اس معاملے میں ان کا سلوک حنفی غیر حنفی سب کے ساتھ یکساں تھا اس لیے ان کے منع کو منع من جہۃ العباد قرار نہ دیا گیا اور اعادۂ نماز کا حکم نہ ہوا۔

اب یہی حال ٹرینوں کا ہو چکا ہے لوگ برق رفتار ٹرینوں کا سفر منزل تک جلد پہنچنے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ اس کے لیے مقررہ کرایہ ادا کرتے ہیں، جو بعض ٹرینوں اور بعض کلاسوں میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ محکمۂ ریلوے بھی چاہتا ہے کہ مسافروں کو ان کی منزلوں تک جلد پہنچایا جائے اس لیے کہ اسی غرض سے وہ ہمیں کرایے کی رقم ادا کر رہے ہیں۔ کسی کو نماز یا دیگر ضروریات سے روکنا مقصود نہیں ہوتا۔ جیسے مسلسل شتررانی سے شتربانوں کا مقصد حنفیوں کو نمازوں سے روکنا نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنے مقررہ قاعدے کے مطابق منزل تک جلد پہنچانا ہوتا تھا تو اب ٹرینوں کے سفر میں بھی وہی حکم ہوگا جو اگلے زمانے میں اونٹوں پر سفر کا تھا۔ اب یہاں بھی اعادۂ نماز کا حکم نہیں۔ اس مسئلے کو سیمینار میں واضح کر دیا گیا اور فتاوی رضویہ کا مفہوم بھی عیاں کر دیا گیا۔ غور کیجیے کہ چلتے اونٹوں پر نماز پڑھنے میں شرط کے ساتھ کئی کئی فرض فوت ہوتے تھے پھر بھی بشمول امام احمد رضا قدّس سرّہ فقہاے احناف نے جواز بلا اعادہ کا حکم دیا مگر ان کی پیروی کرتے ہوئے مجلس شرعی نے عصر حاضر کی ٹرینوں پر جواز بلا اعادہ کا حکم دیا تو ہمارے مہربانوں نے نہ صرف یہ کہ ”چلتی ٹرین“ بلکہ ”پوری ریلوے لائن“ سر پر اٹھا لی اور یہ مسئلہ دار الافتاؤں اور دانش گاہوں سے نکال کر سخت ہنگامہ خیز حالت میں بازاروں، ہوٹلوں اور سڑکوں پر کھڑا کر دیا۔ فإلی اللہ المشتکی۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ریلوے نظام میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی، سو سال پہلے جو نظام تھا وہی آج بھی رائج ہے تو ریلوے نظام کا کوئی واقف کار اس دعوے پر اچھا تبصرہ کر سکتا ہے ہم تو سکوت ہی میں عافیت سمجھتے ہیں، الغرض اگر کوئی سمجھنے کے لیے آمادہ نہ ہو، یا سمجھ بوجھ کر نہ مانے تو منوا دینا نہ ہماری ذمہ داری ہے نہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی۔ مصرّف القلوب رب العزت جلّ جلالہ ہے، وبیدہ أزمّۃ الأمور۔

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب آج کی برق رفتار ٹرینوں میں کل یا بعض نمازوں کی شرعی ادائگی نہ ہونا بالکل یقینی ہے تو قصداً ان کا سفر اختیار کرنا جائز ہے یا سخت ناجائز و حرام؟ —— ایسے سائلین کی کامل تفہیم و تشفّی کی بھی فکر ہونی چاہیے۔

میں یہ بھی صراحت کر دوں کہ ٹرینوں کا نظام اور ان پر نمازوں کے جواز یا عدم جواز کا مسئلہ قرآن و حدیث کا کوئی منصوص مسئلہ نہیں، ایک نیا اور فرعی مسئلہ ہے جس میں اگر کوئی فریق دلیل کی تطبیق و تفہیم میں خطا کر جائے تو اسے گمراہ یا فاسق ٹھہرانا روا نہیں۔

اسی لیے حضرت محدّث سورتی علیہ الرحمہ یا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس مسئلے کی بنیاد پر اپنے دور کے ان لوگوں کو فاسق یا گمراہ نہ کہا جو چلتی ٹرین پر نماز کے جواز بلا اعادہ کے قائل تھے۔ مگر آج کل اسی فرعی مسئلے کی بنیاد پر بعض لوگوں نے تفسیق و تضلیل کی مہم جاری کر رکھی ہے۔ فیا للعجب! خیر یہ تو ایک نیا مسئلہ ہے، سجدۂ تعظیمی کی حرمت تو ایسا قدیم اور مستحکم مسئلہ ہے کہ امام اہل سنت علیہ الرحمہ نے الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ میں اس پر آیات و تفاسیر کے علاوہ چالیس حدیثیں اور ڈیڑھ سو فقہی نصوص پیش کیے ہیں، چاروں مذاہب کے ائمہ کا اس پر اجماع بتایا ہے مگر سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے صراحت فرمائی ہے کہ مخالفین حرمت کی پیروی میں سجدۂ تعظیمی کا ارتکاب کرنے والوں پر حکم تفسیق نہیں۔ دیکھیے فتاوی مصطفویہ ص ۴۵۶، اور فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت ص ۱۱، ۱۲۔

کیا سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے محض اندھیرے میں تیر چلایا ہے؟ اور مرتکبین سجدۂ تعظیمی کی ناروا رعایت سے کام لیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ واللہ ان کی یہ شان نہیں۔

یہ شان ہمارے کرم فرماؤں کی ہے جنھوں نے آج کے نوپیدا فرعی مسئلہ چلتی ٹرین پر نماز سے متعلق جواز بلا اعادہ کے قائلین کو فسق و ضلال تک پہنچانے کی جسارت کی ہے اور ان کے پیچھے نماز کی ادائگی ناجائز لکھی ہے۔ نہ خدا کا خوف، نہ رسول سے حیا، نہ مرشد سے شرم، نہ مرشد کے مرشد کا پاس و لحاظ۔ فتویٰ نویسی کا نہ کوئی ضابطہ رہا نہ اصول، ایک فرعی مسئلے کو حسام الحرمین کا درجہ دے کر ملک بھر سے دستخطوں کا انبار جمع کر کے عصر حاضر کا الصوارم الہندیہ بنا کر شائع کر دیا۔ اور بزعم خویش نغمہ زن ہیں کہ شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم۔

اپنے ہی بھائی ہیں اس لیے دعا کرتا ہوں کہ ربّ کریم انھیں فقاہت و بصیرت عطا کرے اور سرکار مفتی اعظم قدس سرّہ اور امام اہل سنت قدس سرّہ کی پیروی نصیب فرمائے۔

یہ تو ہمارے دور کی بات ہے: مفتی اعظم قدس سرہ اور جمہور علماے اہل سنت لاؤڈ اسپیکر پر نماز کی اقتدا ناجائز کہتے تھے۔ میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ مفتی سید افضل حسین مونگیری صدر المدرسین جامعہ منظر اسلام بریلی

شریف اور مفتی محمد جہانگیر اعظمی استاذ منظر اسلام جواز کے قائل تھے۔ مفتی افضل حسین علیہ الرحمۃ نے اس موضوع پر کتاب بھی لکھ کر شائع کی مگر مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے ان حضرات یا ان کے متبعین پر نہ حکم فسق عائد کیا نہ بریلی کے سنی مسلمانوں کو ان کی اقتدا سے روکا، نہ اپنی اجازت و خلافت سے محروم کیا۔ کیا ہمارے کرم فرماؤں کی فقاہت یا دینی حمیت یا پرہیزگاری اور تقوی سرکار مفتی اعظم قدس سرّہ سے فزوں تر ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ معاملہ برعکس ہے۔

ان معروضات کے بعد مجھے الجامعۃ الاشرفیہ کے دینی تصلب، فروغ سنیت میں اس کے نمایاں کردار اور رضویات کے باب میں اس کی روشن خدمات کا ذکر کرنا تھا اور یہ بتانا تھا کہ آج بھی اشرفیہ کے قادری، چشتی، نقشبندی، برکاتی، رضوی، اشرفی، رشیدی (وغیرہ) فرزندوں اور غلاموں میں وہی جذبات موج زن ہیں جو کل تھے، مختلف بلاد و ممالک میں آج بھی وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور اکابر اہل سنت کا نام روشن کر رہے ہیں اور پوری قوت کے ساتھ آج بھی وہ ہر باطل سے نبرد آزما ہیں۔

اس کا ایک نمونہ یہ جامعہ قادریہ پونہ بھی ہے جس کے زیر اہتمام آج ہم یہاں جمع ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ ان کرم فرماؤں کی پیہم یورشیں بھی ان شاء اللہ ارکان اشرفیہ اور ابنائے اشرفیہ کو بدمذہبوں اور بے دینوں کی دسیسہ کاریوں سے اہل سنت کو بچانے اور اشاعت مسلک حق کی راہ میں اپنی ساری توانائیوں کے ساتھ سرگرم سفر رہنے سے غافل نہیں کر سکتیں، و هو المستعان و عليه التكلان۔

اشرفیہ کی خدمات کا موضوع ایک مستقل مضمون بلکہ ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے اس لیے یہ کام کسی جواں سال عزیز کے لیے چھوڑتا ہوں۔ خدا نے چاہا تو کوئی فرزند اس موضوع کو اپنے شاداب قلم سے سیراب کر کے دنیا کی نگاہوں کو آسودہ کرے گا۔ و التوفيق بيد المولى الكريم العزيز- منه البداية و إليه النهاية۔

حضرات! یہ عیسوی سال رواں اور ہجری سال ماضی و حال اہل سنت کے لیے "عام الحزن" کی شکل اختیار کر گیا۔ ہماری کئی عظیم ہستیاں صرف دو ماہ کے عرصے میں ہم سے پے بہ پے روپوش ہو گئیں۔ میں یہاں صرف چار ناموں پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) اجمل العلما مفتی محمد اجمل شاہ سنبھلی مرادآبادی کے شاگرد مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی سنبھلی مرادآبادی مفتی اعظم راجستھان، سربراہ اعلیٰ دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور ــــ تاریخ رحلت: ۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ / ۱۵؍ اکتوبر ۲۰۱۳ء ــ سہ شنبہ۔

(۲) امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی شاگرد ملک العلما علامہ ظفر الدین رضوی بہاری، شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق چڑا محمد پور فیض آباد ــــ تاریخ رحلت: ۱۴؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ / ۲۰؍ اکتوبر ۲۰۱۳ء ــ یک شنبہ۔

(۳) شہزادۂ سید العلما حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی سجادہ نشین سرکار عالیہ مارہرہ شریف مقیم عروس البلاد ممبئی ــــ تاریخ رحلت: یکم محرم الحرام ۱۴۳۵ھ / ۶؍ نومبر ۲۰۱۳ء ــ چہار شنبہ۔

(۴) حضرت مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی۔ میرے عزیز اور ہم وطن۔ استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ ــــ تاریخ رحلت: ۴؍ محرم ۱۴۳۵ھ / ۹؍ نومبر ۲۰۱۳ء ــ شنبہ۔

یہ سبھی حضرات جامعہ اشرفیہ اور مجلس شرعی کے ہمدرد اور کرم فرما تھے ان کے تعارف اور خدمات پر ماہنامہ اشرفیہ میں مضامین آ چکے ہیں اور کچھ آنے والے ہیں۔ ربّ کریم ان کی خدمات جلیلہ کو شرف قبول سے نوازے، ان کے درجات بلند فرمائے۔ اور پس ماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔

حضرات! مجھے احساس ہے کہ میں نے آپ کا وقت زیادہ لے لیا۔ اب آپ کو آج کے موضوع مذاکرہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ میں نے کئی مقالات کا مطالعہ کر لیا ہے اور تلخیصات تو سبھی پڑھ لی ہیں۔ مسائل کی صعوبت اور رایوں میں اختلاف نمایاں ہے مگر میں آپ سبھی حضرات کی خدمات میں ہدیۂ تحسین پیش کرتا ہوں کہ آپ نے چھان بین کی، کتابوں کی مراجعت فرمائی اور اپنے اپنے موقف کو حسب وسعت دلائل سے آراستہ کیا۔ فیصلہ جو بھی ہو مگر آپ کی کاوشیں رائگاں جانے والی نہیں۔ ان علمی کاوشوں کا اجر ان شاء المولی تعالیٰ ضرور ملے گا۔ فیصلہ بھی آپ ہی کو کرنا ہے اور پوری بالغ نظری، متانت و سنجیدگی، خلوص و للّٰہیت اور قوت دلیل کے ساتھ کرنا ہے۔ ربّ کریم و جلیل سب کے سینے کشادہ فرمائے اور ہم سب کو ہر مسئلے میں روے حق و صواب سے شاد کام فرمائے۔ و ما ذلك عليه بعزيز۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ ہمارے بلند ہمت اور باسعادت منتظمین آپ کی راحت و ضیافت اور خاطر داری کی حتی المقدور کوشش کر رہے ہیں اور آپ کے قیام تک مصروف عمل رہیں گے، مگر نئے تجربہ کار ہیں اس لیے اگر کوئی فروگذاشت ہو تو انھیں اور ہمیں اپنی عالی ظرفی سے معاف فرمائیں اور بروقت جو مناسب ہدایت و رہنمائی ہو سکتی ہو اس سے ہماری دستگیری فرمائیں اور جملہ معاونین کو اپنی مخلصانہ دعاؤں سے نوازیں۔

و السلام و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين خاتم النبيين و على آله و صحبه و مجتهدي شرعه و مجاهدي دينه و علماء أمته و متبعي سنته أجمعين. محمد احمد مصباحی

۱۵؍ صفر ۱۴۳۵ھ / ۱۹؍ دسمبر ۲۰۱۳ء

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اکیسویں فقہی سیمینار کا

خطبۂ استقبالیہ

از: مولانا محمد نوشاد عالم خاں قادری مصباحی، بانی جامعہ قادریہ، پونہ

محب گرامی خلیفۂ تاج الشریعہ حضرت مولانا نوشاد عالم خاں قادری مصباحی ضلع غازی پور کے ایک چھوٹے گاؤں کے بڑے خاندان میں پیدا ہوئے، درس نظامی کی تکمیل آپ نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فرمائی، ابتدائی زمانہ آپ نے ممبئی اور پونہ کی سرزمین پر گزارا اور پھر ایک باضابطہ ٹرسٹ کے تحت جامعہ قادریہ، کونڈوا، پونہ کی بناڈالی، آپ نے پہلے ہی مرحلے میں اپنے رفیق گرامی حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی کو بحیثیت ناظم اعلیٰ مدعو کیا، آپ دعوت وتبلیغ کی نیت سے غیر ملکی سفر پر نکل گئے، اور ادھر پونہ کی سرزمین پر بھی باضابطہ تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری رہا، آپ نے لینز، ساؤتھ افریقہ میں بھی دار العلوم محمدیہ قادریہ بنایا، مجلس شرعی کے اکیسویں فقہی سیمینار میں آپ کا تعاون بھی بھرپور رہا، آخری پروگرام میں جانشین حافظ ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ امجدیہ عزیزیہ کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ دعا ہے مولیٰ تعالیٰ آپ کو دین وسنیت کی مزید خدمات انجام دینے کی توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

مبارک حسین مصباحی

میرے قابل صد احترام اساتذۂ کرام، پورے ملک سے تشریف لانے والے علمائے ذی وقار!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

ہر نیا دور نیا درد لے کر آتا ہے، دور حاضر بھی ایک نیا دور ہے جو اپنے دامن میں نئے مسائل، نئی ایجادات درد کی صورت میں لے کر آیا ہے۔ شریعت اسلامیہ وہ شریعت ہے جو جامد نہیں متحرک ہے، یہ ہر دور کے پیدا ہونے والے فتنوں کا مقابلہ کرنے اور نئے مسائل کے حل فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے کوئی ایسا مسئلہ اور کوئی ایسی چیز نہیں جس کا حل شریعت اسلامیہ نہ پیش کر سکے، جب کہ دیگر مذاہب میں یہ صلاحیتیں مفقود ہیں۔

اسلام ایک عالمگیر اور آفاقی دین ہے جو قیامت تک رہے گا، ہم مسلمان اس دین کے حامل ہیں، ہمیں اسلام پر کاربند رہنے کے ساتھ دیگر اقوام وملل کو بھی اسلام کی دعوت دینا ہے اور خود مسلمانوں کو خیر اور فلاح ونجات کی دعوت دینا اور غیر شرعی امور اور ممنوعات ومنکرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا بھی ہمارے عام فرائض میں شامل ہے۔ جس طرح ہمارے اکابر واسلاف نے باطل خیالات سے ہمیں محفوظ رکھنے کی کوشش کی، اسی طرح ہمیں بھی اپنے آپ کو اس طرح کے پیدا ہونے والے فتنوں سے محفوظ رکھنا ہے اور دوسروں کو بھی محفوظ کرنا ہے۔

موجودہ حالات میں ہمیں خصوصیت سے دو محاذوں پر کام کرنا ہے، ایک تو مغربیت کے سیلاب سے مسلم معاشرہ کو محفوظ رکھنا اور دوسرے وہابیت اور اس کی پھیلی ہوئی شاخوں کے مضر اثرات سے اہل سنت کو محفوظ رکھنا۔ اور یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ نوپید ا مسائل میں مسلمانوں کی اسلامی طور پر رہنمائی کریں۔ ان سب چیزوں کے ساتھ بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی اصل سے وابستگی بہر حال برقرار رکھنی ضروری ہے۔

اصل سے مراد کتاب و سنت کی روشن تعلیمات اور صحابہ و تابعین اور اسلافِ کرام کی ہدایات ہیں، ان سے ایک لمحے کی غفلت بھی ہمارے لیے زبردست محرومی اور خسارے کا سبب بن سکتی ہے۔ اکابر صوفیہ اور علمائے اہل سنت کے نقش قدم پر چلنا ہمارے لیے ضروری ہے جس کی نمائندگی اپنے دور میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم مذہب اہل سنت و جماعت کے ماننے والے ہیں، جسے موجودہ زمانے میں مسلک اعلیٰ حضرت کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے، یعنی ہم مذہب اہل سنت "مسلک اعلیٰ حضرت" سے وابستہ ہیں، اور اسی کی اشاعت کرتے ہیں، اور یہ وہ متاع عزیز ہے جسے ہم دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں۔ الحمد للہ یہاں جتنے علمائے کرام تشریف لائے ہیں سب مسلک اعلیٰ حضرت کے داعی اور ترجمان ہیں۔ اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ اس وقت دنیائے سنیت کا سب سے بڑا اور مرکزی ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ہے جس کا معیار تعلیم اتنا بلند اور ایسا مثالی ہے کہ ہندوستان کے بیشتر مدارس اور بیرون ملک کے مدارس میں بھی اشرفیہ کا نصاب نافذ ہے۔ بحیثیت درس گاہ، ہمارا الجامعۃ الاشرفیہ مسلک اعلیٰ حضرت کا سب سے بڑا ترجمان ہے۔ یورپ، امریکہ اور افریقہ کے ملکوں میں سیکڑوں فارغینِ اشرفیہ دینی و ملی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور نہ جانے کتنے تاریک مقامات پر مسلک اعلیٰ حضرت کا چراغ روشن کیے ہوئے ہیں۔ اردو زبان میں اعلیٰ حضرت کے فقہی شاہکار فتاوی رضویہ حصۂ سوم تا ہشتم اور عربی میں جد الممتار کو منظر عام پر لانے کا سہرا فرزندان اشرفیہ ہی کے سر ہے۔ دو دہائی پیشتر مجلس شرعی کا قیام اور اس کے ذریعہ جدید اور پیچیدہ مسائل کا حل پیش کرکے اہل سنت و جماعت کی رہنمائی کرنا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی روشن ترین خدمات میں سے ایک ہے۔ مجلس برکات کے ذریعہ اکابر اہل سنت کی درسی و غیر درسی کتابوں کی اشاعت بھی اشرفیہ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ تخصص فی الفقہ، تخصص فی الادب العربی اور خصوصیت کے ساتھ دو شعبے تخصص فی الحدیث اور تخصص فی الادیان کا قیام جامعہ کی وہ عظیم اور اہم خدمت ہے جو موجودہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، نیز تنظیم المدارس قائم کرکے مدارس کو ایک نصاب سے جوڑنا اور شعبۂ تربیت تدریس قائم کرکے تربیت یافتہ مدرّسین پیدا کرنا جامعہ اشرفیہ کی امتیازی خدمات سے ہے۔ اس وقت فارغینِ اشرفیہ علمی فکری اور فقہی اعتبار سے مذہب اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت کا عالمی سطح پر سب سے زیادہ کام کر رہے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی گراں قدر خدمات ہیں جن کے تذکرے سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

۱۹۷۲ء کی تعلیمی کانفرنس کے موقع پر اکابر علمائے کرام خصوصیت کے ساتھ حضور مفتی اعظم ہند، حضور سید العلما، حضور مجاہد ملت رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے جو دعائیں کیں وہ الجامعۃ الاشرفیہ کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اور الحمد للہ اب:

ساری دنیا کے سنی کریں یہ دعا اشرفیہ ہمارا سلامت رہے

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی کے وصال کے بعد جامعہ اشرفیہ کی سربراہی ان کے لختِ جگر عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے وجودِ مسعود کو تادیر سلامت رکھے، مجلسِ شرعی مبارک پور بھی انھیں کی نگاہِ فیض و کرم کا نتیجہ ہے۔

اس وقت جتنے علمائے کرام سفر کی تکالیف برداشت کرکے یہاں تشریف لائے ان سب کا، اساتذۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا اور بالخصوص استاذ گرامی صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی، حضرت علامہ محمد عبد المبین نعمانی، علامہ مولانا محمد ادریس بستوی، علامہ اعجاز احمد مبارک پوری، اور علامہ مفتی عبد المنان کلیمی کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اور اس وقت کی تین عظیم اکابر شخصیتیں جو مختلف امراض سے دو چار ہیں، میری مراد حضرت امین ملت شہزادۂ رسول علامہ سید محمد امین میاں برکاتی قبلہ مارہرہ شریف، اور مرشد گرامی تاج الشریعہ حضور علامہ اختر رضا خاں صاحب قبلہ بریلی شریف، اور شہزادۂ محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں قبلہ کچھوچھا شریف جو ہماری جماعت کا اثاثہ ہیں اللہ تعالیٰ انھیں شفائے کامل اور درازیِ عمر عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اکیسویں فقہی سیمینار کا

خطبۂ استقبالیہ

از: مفتی ایاز احمد مصباحی، ناظم اعلیٰ جامعہ قادریہ، کونڈوا، پونہ

گرامی وقار حضرت مولانا مفتی ایاز احمد مصباحی جامعہ قادریہ، کونڈوا، پونہ کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ عہدِ طالب علمی سے ہی محنتی اور جفاکش ہیں، یہ علمی صلاحیتوں کے باوجود نظم ونسق میں بھی امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ یہ اکیسواں فقہی سیمینار ان کی بلند فکر اور عالی ہمتی کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے عزائم کو مزید تقویت اور وسعت عطا فرمائے، قابلِ مبارک باد ہیں ہمارے مفتی صاحب کہ سیمینار کے آخری اجلاس منعقدہ ۲۲/ دسمبر ۲۰۱۳ء میں جانشین حافظ ملت حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ عزیزیہ کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علمی وروحانی میدانوں میں مزید وسعت وترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

مبارک حسین مصباحی

محترم المقام مفتیانِ کرام ومندوبینِ سیمینار....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج ہمیں آپ کا استقبال اور خیر مقدم کرتے ہوئے انتہائی مسرت اور خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ نہ یہ حقیر اس لائق ہے نہ ہی اس کے احباب و ارکانِ ادارہ کہ مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور جیسے عظیم الشان اور بلند و بالا ادارہ کے کسی شعبہ یا اس کے اربابِ حل وعقد کی کسی تقریب کا اہتمام کر سکیں، مگر یہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک ﷺ کے صدقے میں یہ توفیق بخشی اور ہم نے کمر کس لی۔

حضرات! ہمارا ادارہ جامعہ قادریہ ٹرسٹ ایک دینی اور علمی ادارہ ہے، جسے ۱۹۹۴ء کے بالکل اخیر میں محترم المقام محب گرامی حضرت مولانا الحاج محمد نوشاد عالم خان قادری مصباحی غازی پور مقیم ساؤتھ افریقہ نے قائم فرمایا۔

آپ کو تعجب ہوگا کہ پونہ جو دنیوی اور عصری علوم کا آکس فورڈ کہا جاتا ہے، یہاں دینی علوم کا کوئی ادارہ نہیں تھا، ہمارے بانیِ ادارہ نے اس ضرورت کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ عملی قدم اٹھاتے ہوئے ایک نامکمل بنگلہ خریدا اور اسے تکمیل کے مرحلے تک پہنچایا۔ ۱۴۱۵ھ کی شب معراج کی مبارک ساعتوں میں اس کا افتتاح عمل میں آیا۔

بانیِ ادارہ اور یہ فقیر دونوں ہی مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے خوشہ چیں ہیں۔ اسی تعلق کے مدنظر اس کے پہلے اجلاس منعقدہ بموقع عید میلاد النبی ﷺ میں شاہ زادۂ حضور حافظ ملت عزیز ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ مدظلہ العالی تشریف لائے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن، ہر سال بلکہ کسی کسی سال دو دو مرتبہ حضرت تشریف لانے کی زحمت فرماتے ہیں۔

نیز شارح بخاری شریف حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ اس کے پہلے اجلاس میں بھی تشریف لا چکے ہیں اور ممبئی میں رضا اکیڈمی کی طرف سے نزہۃ القاری کی تکمیل کے بعد جشن شارح بخاری کے اہتمام کے دوسرے روز ہمارے ادارہ جامعہ قادریہ کی طرف سے بھی حضرت کو پونہ میں استقبالیہ دیا گیا۔ اور آج اپنی ایک دیرینہ آرزو اور خواہش کی تکمیل ہوتے ہوئے مجھے ایک روحانی اور قلبی مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ مجلس شرعی کا ۲۱/ واں فقہی سیمینار ہماری دعوت پر یہاں منعقد ہو رہا ہے۔

حضرات میں نے ابتداءً ذکر کیا کہ نہ میں اس لائق ہوں اور نہ ہی میرا ادارہ کہ آپ جیسے مؤقر اور محترم حضرات کو ہم زحمت دے سکیں اور آپ کی مہمان نوازی کے فرائض سے سبک دوش ہو سکیں۔

مگر آپ کے بڑپن اور خُرد نوای کی بنیاد پر میں توقع کرتا ہوں کہ ہماری کوتاہیوں اور کمیوں کو نظر انداز فرما کر عفو ودرگزر سے کام لیں گے اور اہم دینی اور ملی فریضہ، جس کا بیڑہ مجلسِ شرعی نے اٹھایا، یکسوئی اور اطمینان قلب کے ساتھ انجام دیں گے۔ شکریہ۔ ☆☆☆

چشم دید

اصحابِ مقالات و شرکاے سیمینار

مولانا محمد عرفان عالم مصباحی

اس سیمینار کے لیے پانچ عناوین پر مقالات لکھے گئے تھے۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)-بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کا حکم (۲) جدید ایجادات میں قرآن کریم بھرنے اور اسے چھونے وغیرہ کے احکام

(۳)-رشوت سے آلودہ ماحول میں حقوق العباد کی حفاظت (۴) ہلالِ رمضان کے لیے فون سے ثقہ کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

(۵) فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع سرمائے کی زکاۃ کیسے ادا کی جائے گی؟

------﴿اکابر﴾------

(۱)-عزیز ملت حضرت علامہ و مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ دام ظلہ، سربراہ اعلیٰ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۲)-صدر العلما حضرت علامہ و مولانا محمد احمد مصباحی صاحب دام ظلہ، صدر المدرسین جامعۃ اشرفیہ، مبارک پور

(۳)-رئیس القلم حضرت علامہ و مولانا یٰسین اختر مصباحی دام ظلہ، مہتمم دار القلم نئی دہلی

(۴)-سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ، صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

------﴿اصحابِ مقالات﴾------

نمبر شمار	اسمائے گرامی مع سکونت		عنوان (۱)	عنوان (۲)	عنوان (۳)	عنوان (۴)	عنوان (۵)
۵	مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، کچی باغ، بنارس	۲	۵	۴	۱۰	۲
۶	مولانا رفیق عالم رضوی مصباحی	جامعہ نوریہ، بریلی شریف	۲	۳	۲		۱
۷	مولانا ابرار احمد اعظمی	دار العلوم ندائے حق، جلال پور	۲	۱۱	۵	۴	۱
۸	مولانا محمد مبشر رضا ازہر مصباحی	دار العلوم شیخ احمد کھٹو، احمد آباد، گجرات	۴	-	۴	۴	-
۹	مولانا محمد انور نظامی مصباحی	مدرسہ فیض النبی، کٹگھرا، ہزاری باغ	۱	۱	-	۶	-
۱۰	مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج	۶	۳	۹	۷	۲
۱۱	مولانا عبد السلام قادری مصباحی	بلرام پور	۱	۳	۲	۱	-
۱۲	مولانا محمد سلیمان مصباحی	جامعہ عربیہ، سلطان پور	۳	۳	۲	۱	۱
۱۳	مولانا محمد مسیح احمد قادری مصباحی	مدرسہ انوار القرآن، بلرام پور	۴	۳	۲	۲	۱
۱۴	مولانا شہاب الدین اشرفی	جامع اشرف، کچھوچھہ شریف	۴	۵	۳	۱۰	۲

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

۱۵	مولانا معین الدین اشرفی مصباحی	دار لعلوم بہار شاہ، فیض آباد	۲	۵	۲	۲	-
۱۶	مولانا نور احمد قادری و مزمل اختر مصباحی	بلرام پور	۳	-	-	۴	-
۱۷	مولانا شہاب الدین نوری	دار العلوم فیض الرسول، براوں شریف	۱	۴	۷	۳	-
۱۸	مولانا محمد عرفان عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	۲	-	-	۲	-
۱۹	مولانا منظور احمد عزیزی	جامعہ عربیہ، سلطان پور	۲	-	-	۱	-
۲۰	مولانا رحیم اکبری	سوجا شریف راجستھان	-	۱	۵	۱	-
۲۱	مولانا صدر الوری قادری مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	۹	-	-	-
۲۲	مولانا خالد ایوب مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	۵	-	-	-
۲۳	مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-		۵	-	۲
۲۴	مولانا محمد ہارون مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	-	۵	۴	۲
۲۵	مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	-	۳	-	۱
۲۶	مولانا ناظم علی رضوی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	۲	۴	۵	-	۸
۲۷	مولانا شمس الہدی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	-	-	۴	-
۲۸	مولانا محمد حبیب اللہ بیگ ازہری مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	-	-	۲	-
۲۹	مولانا محمد اشرف خان مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	-	-	۳	۳
۳۰	مولانا دستگیر عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	۳	-	-	۱
۳۱	مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ	مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو	۲	۲	۳	-	-
۳۲	مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو	۲	۳	-	۲	۲
۳۳	مولانا ساجد علی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	۲	۶	-	۵	-
۳۴	مولانا اختر کمال قادری مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	-	-	۳	۲
۳۵	مولانا جنید احمد مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	۳	-	-	۲	-
۳۶	مولانا شہباز مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	۵	-	۲	-
۳۷	مولانا منظر عقیل مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	۴	-	۲	-
۳۸	مولانا انفاس الحسن چشتی	جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف، اوریا	۵	۳	-	-	-
۳۹	مولانا محمد ناصر حسین مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	۴	۸	-	-	-

۴۰	مولانا محمد عارف اللہ مصباحی	مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو	-	۹	۳	۴	۳
۴۱	مفتی معراج القادری مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	۱	۲	-	-	۱
۴۲	مولانا محمود احمد برکاتی مصباحی	دار العلوم قادریہ، بگھاڑو، سون بھدر	۲	۳	-	-	-
۴۳	مولانا بدر عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	۴	-	۲	-
۴۴	مولانا عبد الحق رضوی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	۸	-	-	-
۴۵	مولانا ابرار احمد امجدی	مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی	-	۴	۴	-	-
۴۶	مولانا زاہد علی سلامی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	-	-	-	۶	-
۴۷	مولانا آل مصطفی مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو	-	۹	۳	-	۱
۴۸	مولانا نظام الدین قادری مصباحی	دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی	۲	۳	-	۳	-
۴۹	مولانا نفیس احمد مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	۳	۱۰	-	-	-
۵۰	مفتی محمد نسیم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ	۲	-	-	۴	-
۵۱	مولانا عابد رضا مصباحی و مولانا شاہد رضا مصباحی	مرکزی دار القراءت، جمشید پور	۴	-	-	-	-
۵۲	مولانا قاضی شہید عالم رضوی	جامعہ نوریہ، بریلی شریف	-	۸	-	۲	-

------﴿بقیہ شرکاے سیمینار﴾------

۵۳	مولانا اعجاز احمد مصباحی	جامعہ اشرفیہ
۵۴	مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی	چریاکوٹ، مئو
۵۵	مولانا مفتی عبد المنان کلیمی مصباحی	مراد آباد
۵۶	مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی	بستی
۵۷	مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی	جامعہ اشرفیہ
۵۸	مولانا مبارک حسین مصباحی	جامعہ اشرفیہ
۵۹	مولانا محمد نعیم الدین عزیزی مصباحی	جامعہ اشرفیہ
۶۰	مولانا شبیر احمد مصباحی	مہراج گنج

۶۱	مولانا محمود احمد مصباحی	مبارک پور
۶۲	مولانا ڈاکٹر سعید احسن قادری یونانی میڈیکل کالج، پونہ	
۶۳	مولانا محمد جنید مصباحی	جامعہ اشرفیہ
۶۴	مولانا شمس الدین مصباحی	جامعہ اشرفیہ
۶۵	مولانا محمد وسیم اکرم مصباحی	اڑیسہ
۶۶	مولانا محمد عبد اللہ صاحب	مراد آباد
۶۷	مولانا محمد بشیر	اجمیر شریف
۶۸	مولانا محمد علی رضوی	الہ آباد

------﴿مقامی علماے کرام﴾------

۶۹	مولانا نوشاد عالم خان مصباحی (ساؤتھ افریقہ)	پونہ
۷۰	مفتی ایاز احمد مصباحی	پونہ
۷۱	مولانا محمد عابد مصباحی	پونہ

۷۲	مولانا محمد ایوب اشرفی	پونہ
۷۳	مولانا اشفاق احمد مصباحی	پونہ
۷۴	مولانا سید عبد الرحمٰن مصباحی	پونہ

۷۵	مولانا محمد شفیق الرحمٰن مصباحی	پونہ	۹۲	مولانا خالد عطاری	پونہ
۷۶	مولانا محمد عمر نعیمی	پونہ	۹۳	مولانا سرفراز عطاری	پونہ
۷۷	مولانا رضاء الاسلام مصباحی	پونہ	۹۴	مولانا مراد علی رضوی	پونہ
۷۸	مولانا کاشف رضا	پونہ	۹۵	مولانا تنویر حسن	پونہ
۷۹	مولانا نسیم رضا	پونہ	۹۶	مولانا شہاب الدین نعمانی	پونہ
۸۰	مولانا معین الدین مصباحی	پونہ	۹۷	مولانا جاوید احمد ثقافی	پونہ
۸۱	مولانا محمد شاہد رضا اشرفی	پونہ	۹۸	مولانا ابو شحمہ نوری	پونہ
۸۲	مولانا محمد اختر رضا	پونہ	۹۹	مولانا محمد اسلام الدین اشرفی	پونہ
۸۳	مولانا مختار احمد مصباحی	پونہ	۱۰۰	مولانا توفیق الاسلام اشرفی	پونہ
۸۴	مولانا محمد مظہر	پونہ	۱۰۱	مولانا فاروق رضوی	پونہ
۸۵	مولانا محمد فہیم	پونہ	۱۰۲	مولانا سہیل رضا خان	پونہ
۸۶	مولانا محمد عارف	پونہ	۱۰۳	مولانا قاری عبد اللطیف	پونہ
۸۷	مولانا ممتاز عالم	پونہ	۱۰۴	مولانا قاری شمیم انور مصباحی	پونہ
۸۸	مولانا فیض احمد فیضی	پونہ	۱۰۵	قاری شمس الدین	پونہ
۸۹	مولانا عبد العزیز عزیزی	پونہ	۱۰۶	حافظ ادریس	پونہ
۹۰	مولانا عبد المجید علیمی	پونہ	۱۰۷	حافظ مسیح الزماں	پونہ
۹۱	مولانا عبد المجید مصباحی	پونہ	۱۰۸	حافظ امانت رسول	پونہ

------﴿ممبئی و مہاراشٹر کے علماے کرام﴾------

۱۰۹	مولانا معین الحق علیمی مصباحی	ممبئی	۱۱۸	مولانا محمد وسیم مصباحی	نیو ممبئی
۱۱۰	مفتی توفیق احسن برکاتی مصباحی	ممبئی	۱۱۹	مولانا شمس الدین مصباحی	ناسک
۱۱۱	مولانا محفوظ الرحمٰن	ممبئی	۱۲۰	مولانا مشتاق احمد مصباحی	ناسک
۱۱۲	مولانا فیض احمد مصباحی	کھوپولی	۱۲۱	مولانا رحمت علی	ناسک
۱۱۳	مولانا مفتی عبد المصطفیٰ نوری	دھولیہ	۱۲۲	مولانا فرید احمد مسعودی	جلگاؤں
۱۱۴	مولانا محمد امین رضوی	دھولیہ	۱۲۳	مولانا محمد احمد مصباحی	ملاڈ
۱۱۵	مفتی محمد عاقب کھربے	کھوپولی	۱۲۴	مولانا انوار احمد نظامی	بھیونڈی
۱۱۶	مولانا افتخار ندیم مصباحی	ناندیڑ	۱۲۵	مولانا عبید الرحمٰن اشرفی	بھیونڈی
۱۱۷	مولانا ذوالقرنین	عثمان آباد	۱۲۶	مولانا قاری شاہ حسین	بھیونڈی

بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کا حکم

مولانا محمد ناصر حسین مصباحی

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے اکیسویں فقہی سیمینار ۱۴۳۵ھ /۲۰۱۳ء کے اہم موضوعات میں سے ایک "بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کا حکم" ہے۔ اس سے متعلق کل تیس علماے کرام و مفتیان عظام نے اپنی گراں قدر تحقیقات پیش کیں اور بیش قیمت مختصر و جامع مقالات تحریر کیے، جن کے صفحات کی مجموعی تعداد اِکیّٹر ہے۔ اس موضوع سے متعلق سوال نامہ استاذی الکریم سراج الفقہاء حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی۔ دام ظلہ علینا۔ نے تیار فرمایا جس میں خون اور اس کے اجزا کا جامع تعارف، خون کی مدت حیات، خون دینے والے کی صحت و عمر کا لحاظ، خون نکالنے کی مقدار، خون نکالنے سے پہلے اور اس کے بعد کی جانچ کے جملہ مراحل، مختلف نازک حالات میں مختلف اجزاے خون کے چڑھانے کی تفصیل، بلڈ بینک کی ضرورت و افادیت اور اس کے نہ ہونے سے مریضوں کے عظیم حرج و مشقت میں پڑنے جیسے تمام ضروری گوشوں پر بھرپور روشنی ڈالنے کے بعد یہ سوال قائم فرمایا کہ:

مسلمانوں کا بلڈ بینک قائم کرنا
اور اس میں اپنے خون جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں علما کے درج ذیل دو موقف سامنے آئے:

پہلا موقف یہ ہے کہ عمومی حاجت یا ضرورت یا اس کے غلبۂ ظن کے پیش نظر آج کے زمانے میں مسلمانوں کا بلڈ بینک قائم کرنا اور اس میں اپنے خون جمع کرنا جائز ہے۔

یہ موقف اکثر علما کا ہے۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

❶ جس طرح خون کی حرمت و نجاست قطعی ہے یوں ہی شراب کی نجاست و حرمت بھی قطعی ہے، لیکن اس کے باوجود فقہاے کرام نے سرکہ بنانے کی غرض سے شراب کا احراز و امساک جائز قرار دیا:

البریقۃ شرح الطریقۃ للعلامۃ القونوی میں ہے:

"لا بأس بإمساك الخمر للتخليل". (ص ۱۲۷)

فتاوی عالمگیری اور فتاوی خانیہ میں ہے:

"لو أمسك الخمر للتخليل جاز و لا يأثم".

(عالمگیری ۴/۱۲۰، خانیہ ۴/۳۷۸)

بلکہ اس غرض کے لیے شراب بنانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

فقیہ ابو اللیث کی عیون المسائل میں ہے: "لا بأس أن يتخذه خمرًا إذا كان يريد أن يتخذه خلًّا" (ص ۱۷۹)

جب سرکہ جیسی ایک جائز اور غیر ضروری چیز بنانے کی غرض سے شراب جیسی شدید الوعید واجب الاجتناب اور ناپاک و حرام شے کا احراز و امساک جائز ٹھہرا تو ایک ضرورت مند خون کی کمی کے شکار جاں بلب مریض کی جان بچانے کے لیے خون کا جمع و احراز بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہیے، پھر جس طرح گھر میں رکھی ہوئی شراب سرکہ میں تبدیل ہو کر حلال ہو جاتی ہے یوں ہی بلڈ بینک میں جمع شدہ خون بوقت ضرورت مریض مضطر کے حق میں حلال ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت مند مسلمان کی جان بچانے کے لیے بلڈ بنیک میں خون جمع کرنا جائز ہونا چاہیے، لأن الأمور بمقاصدها و للوسائل حكم المقاصد.

(مقالہ مولانا مفتی ابرار احمد اعظمی ص:۱،۲)

جواز کے قائلین میں سے بعض حضرات نے ضرورت و حاجت سے بعض نے مشہور قاعدۂ فقہیہ "الأمور بمقاصدها" سے اور بہت سے قلم کاروں نے سرکہ بنانے کے لیے شراب رکھنے کے جواز سے استدلال کرتے ہوئے بلڈ بینک کے جواز کو ثابت کیا ہے۔

بعض نے موچی کے لیے "خنزیر کے بال اسٹاک رکھنے کے جواز" کو جوازِ بینک کے لیے بطور نظیر پیش کیا ہے۔

❷ ابو داود شریف میں ہے: عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال، قال رسول الله ﷺ: من احتجم لسبع عشرة و تسع عشرة و إحدى و عشرين كان شفاءً من كلّ داءٍ.

❀ ترمذی شریف میں ہے: عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أنّ رسول الله ﷺ كان يحتجم في الأخدعين و الكاهل، و كان

یحتجم لسبع عشرۃ و تسع عشرۃ و إحدی و عشرین.

❁ اسی میں ہے: قال رسول اللہ ﷺ نعم العبدُ الحجّام، یذهب بالدم، یخف الصلب، ویجلو عن البصر، و إن خیر ما تحتجمون فیه یوم سبع عشرة و یوم تسع عشرة و یوم إحدی و عشرین. (عمدۃ القاری ج: ۲۱، ص ۲۴۰، شرح باب أي ساعة یحتجم)

❁ مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن ابن مسعود ﷛ قال: حدث رسول اللہ ﷺ عن لیلة أسري به أنه لم یمرّ علی ملإ من الملائکة إلّا أمروہ أن مُر أمّتك بالحجامة. رواہ الترمذي و ابن ماجه.

❁ اس حدیث کے تحت شیخ محدث عبد الحق علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: "ظاہر آں است کہ مراد بحجامت خون کشیدن است شامل فصد وغیرہ، چناں کہ در حدیث "الشفاء في ثلاث: شرطة محجم..." معلوم شد۔ وبعضے شراح آں را مقابلِ فصد داشتہ وگفتہ کہ سببِ فضیلت حجامت آں است کہ حجامت خون را از نواحی جلد استخراج می کند۔ ومجموع اطباء قائل اند بآں کہ در بلادِ گرم حجامت افضل است از فصد، زیراکہ خونِ ایشاں رقیق است وپختہ، وبر سطح بدن می آید، وبحجامت بیروں آید نہ بفصد۔ وفصد اعماق بدن را نافع است وبلاد باردہ مناسب، وماناکہ بہ "امت" عرب مراد داشتہ اند کہ دراں وقت موجود از امت ایشاں بودند ویا مراد از "أمتك" قومك داشتہ۔ وطیبی گفتہ کہ وجہ در مبالغۂ ملائکہ در حجامت (ورائے آں چہ مشہور است در وے از منافع بدنی) آں است کہ خون اصل قوائے حیوانیہ است، وقتیکہ کمتر شود در بدن، سست خواہد شود قوائے نفسانیہ کہ مانع است از مکاشفات غیبیہ" انتہی۔ وایں وجہ افادۂ نفع اخراجِ دم کند مطلقًا۔ امّا آں چہ اول گفتیم افادہ بیان نفع حجامت کند بخصوصہا، فافہم۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳، ص ۶۰۸، ۶۰۹)

مذکورہ بالاں اقتباسوں سے ظاہر ہے کہ بطور علاج یوں ہی کسی نفع متوقع کے پیش نظر حجامت اور فصد جائز ہے۔ بلکہ فتاوی ہندیہ میں ہے: تستحبّ الحجامة لکل واحد. (ج ۵، ص ۳۵۵)

نیز اسی میں ہے: الحجامة بعد نصف الشهر یوم السبت حسنٌ نافع جدًّا" (أیضًا)

اور ظاہر ہے کہ یہ عمل خون نکلوانے کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور جیساکہ شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے افادہ فرمایا کہ اس سے روحانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں، لہٰذا خون نکلوانے کا جواز شرعًا ثابت ہے۔

اب رہ گئی بلڈ بینک میں محفوظ رکھنے کی بات تو یہ بھی جائز ہے، اس لیے کہ خون چڑھانے کی کچھ جائز صورتیں بھی ہیں، جیساکہ مجلس شرعی کے ذریعہ منعقد سیمینار میں علمائے کرام ومفتیان ذوی الاحترام کے اتفاق سے فیصلہ ہو چکا ہے، لہٰذا ان جائز صورتوں میں استعمال کے لیے خون بینک میں محفوظ رکھنا بھی جائز ہونا چاہیے۔ اس کی نظیر یہ مسئلہ ہے، کہ جلانے کے لیے اُپلے کو محفوظ رکھنا جائز ہے۔ یوں ہی بعض مشائخ کے نزدیک سرکہ بنانے کے لیے شراب اٹھانا اور محفوظ رکھنا بھی جائز ہے، جیساکہ فتاوی ہندیہ میں ہے۔

(مقالہ مولانا نظام الدین قادری مصباحی - جمداشاہی)

❸ تخفیف احکام کے لیے ضرورت یا حاجت کا "فی الحال تحقق" ضروری نہیں بلکہ "آئندہ زمانے میں تحقق" کا ظنّ غالب بھی تخفیفِ احکام میں شرعًا مؤثر ہے۔

❁ فتاوی ہندیہ میں ہے: "و منها المرض، المریض إذا خاف علی نفسه التلف، أو ذهاب عضو یفطر بالإجماع وإن خاف زیادة العلة فکذلك عندنا و علیه القضا إذا أفطر کذا في المحیط". اھ.

(الفتاوی الهندیه، الباب الخامس في الأعذار التي تبیح الإفطار)

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں نہ تو مریض کی جان چلی گئی ہے اور نہ ہی اس کا عضو تلف ہوا ہے، ہاں آئندہ زمانے میں جان جانے یا عضو تلف ہو جانے کا گمان غالب ہے، لہٰذا یہاں شریعت مطہرہ نے آئندہ زمانے میں پیش آنے والی ضرورت کے گمان غالب کا لحاظ کرتے ہوئے افطار کی اجازت دی۔

❁ شرح وقایہ میں ہے: "أو لمرض ... أو عطش، أي إن استعمل خاف العطش، أو أبیح الماء للشرب حتی إذا وجد المسافر في جب معدّ للشرب جاز له التیمم".

اس کے تحت عمدۃ الرعایہ میں ہے: أشارَ به إلی أنّه لیس المبیح وجود العطشِ فقط، بل إذا خافَ العطشَ إن توضَّأ بالماءِ یجوزُ له التیمّم سواء عرضَ له العطش أم لا، سواء خافه علی نفسه أو علی رفیقه، أعمّ من أن یکون مخالطًا له، أو آخرَ ممَّن معه في القافلة، أو علی کلبِه أو کلبِ رفیقِه إذا کان مباحَ الاقتناءِ ککلبِ الصید. کذا في الدر المختار.

(عمدۃ الرعایة باب التیمم ص ۸۸، مجلس البرکات)

درج بالا عبارت میں صراحت ہے کہ اباحت تیمّم کے لیے فی الحال پیاس کا وجود ضروری نہیں ہے بلکہ مستقبل میں پیاس کا خوف ہو پھر بھی ابھی سے تیمّم کی اجازت ہوگی۔ یعنی پیاس جو اباحت تیمّم کا سبب ہے، فی الحال موجود نہیں ہے، بلکہ آئندہ اس کے پیش آنے کا گمان غالب ہے، اسی مظنون پیاس کے خوف کا لحاظ کرتے ہوئے، تیمّم کو جائز قرار دیا گیا۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے: "رجل یخاف إن لم یفطر یزداد عینه أو جاء شدة کان له أن یفطر و کذا الحامل و المرضع إذا خافت علی نفسها أو ولدها و کذا الأمة إذا ضعفت ابتلع عن الطبخ أو الخبز

وغسل الثياب ونحو ذلك إن صارت بحال خافت على نفسها فأفطرت فعليها القضاء دون الكفّارة.“ اھ. (الفصل الثالث في العذر الذي يبيح في الافطار في الأحكام المتعلقة به ص ۲۰۳، ج ۱)

بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کی فی الحال اگرچہ ضرورت یا حاجت متحقق نہیں ہے، لیکن آئندہ زمانے میں اس کے تحقق کا غالب گمان ہے، اور شریعت میں غالب گمان کو ملحق بہ یقین تسلیم کیا گیا ہے، چناں چہ الاشباہ میں ہے:

”وغالب الظن عندهم ملحق باليقين وهو الذي يبتني عليه الأحكام ...صرّحوا في نواقض الوضو بأن الغالب كالمتحقق، وصرحوا في الطلاق إذا ظن الوقوع لم يقع، وإذا غلب على ظنه وقع،اھ. (الأشباه والنظائر، القاعدة: اليقين لا يزول بالشك؟ ص: ٦٣، دار الكتب العلمية،بيروت)

لہٰذا حادثات کی کثرت، بیماریوں کے عام ہونے اور علاج کے لیے جسم میں خون چڑھانے کی ضرورت کے ظن غالب کے سبب امت مسلمہ کو حرج و مشقت سے بچانے کے لیے بلڈ بینک کا قیام اور پہلے ہی سے بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ (مقالہ مفتی انفاس الحسن چشتی ص ۳، ۴، ۵)

۴ چوتھی دلیل بلڈ بینک کی حاجت یا ضرورت شرعیہ کا تحقق ہے۔

اس موقف کے ہمنواؤں نے تحقق حاجت یا تحقق ضرورت کی الگ الگ ملتی جلتی تعبیرات اختیار کی ہیں، اختصار اور جامعیت کے پیش نظر ہم مولانا نفیس احمد مصباحی کے مقالے سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

”کچھ شرطوں کے ساتھ بلڈ بینک قائم کرنے کی اجازت ہونی چاہیے، وہ شرطیں یہ ہیں:

(۱) وہ اسپتال مسلمانوں کا ہو اور اس میں عموماً مسلم مریض آتے ہوں۔

(۲) وہ اسپتال بڑا ہو جہاں کثرت سے مریض ایڈمیٹ ہوتے ہوں۔

پہلی شرط اس لیے ہے کہ جہاں ہماری شریعت نے دوسرے شخص کی ضرورت یا حاجت کو معتبر مانا ہے وہاں اس شخص کے مسلم ہونے کی صراحت ہے۔ جیساکہ رسالہ ”جَليُّ النص في أماكن الرُّخَص“ میں ہے:

”پھر اپنی ضرورت تو ضرورت ہے ہی، دوسرے مسلم کی ضرورت کا بھی لحاظ فرمایا ہے، مثلاً: (۱) دریا کے کنارے نماز پڑھتا ہے اور کوئی شخص ڈوبنے لگا اور یہ بچا سکتا ہے تو لازم ہے کہ نیت توڑے اور اسے بچائے، حالاں کہ ابطالِ عمل حرام تھا۔ قال اللہ تعالیٰ: لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔ (۲) نماز کا وقت تنگ ہے، ڈوبتے کو بچانے میں نکل جائے گا تو بچائے اور نماز قضا کرے، اگرچہ قصداً قضا کرنا حرام تھا۔ (۳) نماز کا وقت جاتا ہے اور قابلہ (دائی) اگر نماز میں مشغول ہو بچے پر ضائع ہونے کا اندیشہ ہے نماز کی تاخیر کرے۔ (۴) نماز پڑھ رہا ہے اور اندھا کنویں کے قریب پہنچا، اگر یہ نہ بتائے وہ کنویں گر جائے، نیت توڑ کر بتانا واجب ہے۔“ (جليّ النص في أماكن الرخص، فتاوی رضویہ، جلد دہم نصف آخر، ص: ۲۰۰)

اور **دوسری شرط** اس لیے ہے کہ خون عموماً دو ہفتے سے تین ہفتے تک محفوظ رہتا ہے، اس کے بعد وہ خراب ہو جاتا ہے، اور بڑے اسپتالوں میں جہاں کثرت سے مریض ایڈمیٹ ہوتے ہیں، وہاں عموماً اتنے دنوں تک کوئی خون بچ نہیں پاتا، بلکہ اس میعاد سے پہلے ہی خون استعمال میں آجاتا ہے، اس طرح سے انسان کا یہ قیمتی جوہر حیات ضائع ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔

جواز کی وجہ یہ ہے کہ ایسے اسپتالوں میں انسانی جان بچانے یا اسے مشقت اور پریشانی سے نجات دلانے کے لیے تقریباً ہر حال میں اور ہر وقت ایک عمومی حاجت پائی جاتی ہے۔ اگر پہلے سے خون موجود نہ رہے تو کتنے مریض بروقت خون نہ ملنے کی وجہ سے دم توڑ دیں گے، یا سخت مشقت سے دو چار ہوں گے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے تو کسی انسان سے لیا ہوا خون اپنے تمام اجزا کے ساتھ مکمل طور پر دوسرے انسان کے بدن میں چڑھا دیا جاتا تھا، اور اب جدید تحقیق کے مطابق اس کے اجزا الگ کر کے علاحدہ علاحدہ پیکٹ میں محفوظ کر لیے جاتے ہیں، اور جس مریض کو خون کے جس جز کی ضرورت ہوتی ہے، اُسے وہی جز چڑھایا جاتا ہے۔ یہ طریقۂ کار اس لیے اختیار کیا گیا تاکہ ایک ہی خون سے کئی مریضوں کا بھلا ہو سکے اور ان اجزا کے الگ الگ ہو جانے سے طبّی نقطۂ نظر سے مریض کو کوئی ضرر اور نقصان نہیں ہوتا۔

اس زمانے میں خون لینے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیے جاتا ہے، نہ ہر شخص کا خون لیا جاتا ہے، نہ ہر طرح کا خون لیا جاتا ہے، بلکہ صرف صحت مند آدمی کا صحت مند خون ہی لیا جاتا ہے، اس لیے خون لینے سے پہلے اور اس کے بعد ان امور کا لحاظ کیا جاتا ہے جو طبّی نقطۂ نظر سے ضروری ہیں۔

یوں ہی خون لینے کے بعد اسے مختلف مراحل سے گزارا جاتا ہے:

(۱)- اس میں ایک خاص قسم کی دوا شامل کی جاتی ہے جو اسے جمنے سے بچائے اور سیّال رکھے۔

(۲)- پھر اس کے اجزا کو الگ الگ کیا جاتا ہے اور جن اجزا کو محفوظ رکھنا ہوتا ہے، انھیں پیک کر دیا جاتا ہے۔

(۳)- مختلف انسانوں کے خون مختلف گروپ کے ہوتے ہیں، اس

لیے اب جانچ کر کے یہ متعین کیا جاتا ہے کہ ملنے والا خون کس گروپ کا ہے۔

(۴)-اور جب یہ خون مریض کے بدن میں چڑھانا ہو تو اس میں اور مریض کے خون میں "کراس میچ" کرتے ہیں یعنی مریض اور مُعطی دونوں کا خون باہم ملا کر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کوئی ری ایکشن تو نہیں ہو رہا ہے، اگر نتیجہ مثبت ہوتا ہے تو وہ خون مریض کے بدن میں چڑھایا جاتا ہے۔

ان تمام شرائط و قیود کا لحاظ کرتے ہوئے انسانی خون کی فراہمی کس درجہ مشکل ہے اس کا اندازہ درج ذیل تفصیلات سے لگائیے:

(الف) جس وقت خون کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت جلدی کوئی خون دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ کئی کئی آدمی مریض کی ہمدردی میں اس کے ساتھ موجود ہوتے ہیں، مگر عموماً اس کی دُکھ بھری زندگی میں کوئی اسے اپنے خون کا سہارا دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

(ب) اب خون بیچنے والے بھی کم ہی مل پاتے ہیں۔

(ج) اگر کوئی خون دینے یا بیچنے کے لیے تیار ہو بھی گیا تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ عمر خون دینے کی ہے یا نہیں؟

(د) عمر کی شرط بھی پوری ہو جائے تو اس بات پر نظر رکھی جاتی ہے کہ اس کے جسم میں خون وافر مقدار میں موجود ہے یا نہیں۔

(ہ) خون اگر وافر مقدار موجود ہو تو اس کے خون کی جانچ کر کے یہ پتا لگایا جاتا ہے کہ اس میں ایڈز، پیلیا، شوگر، ٹائیفائڈ، ملیریا، سفلس وغیرہ کوئی بیماری تو نہیں۔

(و) جب وہ خون ہر طرح کی بیماری سے پاک اور مقررہ طبّی معیار پر پورا اترتا ہے تب اس کے گروپ کی جانچ کر کے دیکھا جاتا ہے کہ دونوں خون کا گروپ ایک ہی ہے یا مختلف۔

(ز) اگر گروپ بھی مل گیا تو اسے مختلف اجزا میں تقسیم کیا جاتا ہے اور مریض کو خون کے جس جز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کے بدن میں چڑھا دیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ مریض خون کی کمی کی وجہ سے جاں بلب ہو، یا سخت کلفتوں اور مشقتوں سے دوچار ہو اس وقت اِن امور کی پابندی کے ساتھ صالح خون کی فراہمی میں لمبی تاخیر مریض کے لیے بہت بڑا آزار ہے۔ خون کے حاجت مند مریض ایسے وقت بھی آ جاتے ہیں جب ان کے خون کا گروپ نہیں ملتا، یا صحت بخش خون نہیں ملتا، اگر پہلے سے خون جمع نہ ہو تو ان کی جان جا سکتی ہے، یوں بھی بدن کا خون نظامِ قدرت کے مطابق روز ایک فی صد ختم ہوتا ہے، اور اس کی جگہ ایک فی صد بنتا بھی ہے۔ اس لیے بلڈ بینک قائم کر کے پہلے ہی سے صالح اور صحت مند خون کے پیکٹ محفوظ کرنا ایک عمومی حاجت ہے، تاکہ جب اس کے حاجت مند مریض آئیں تو فوراً انھیں مناسب طبّی امداد فراہم کی جا سکے اور مشقت اور پریشانی سے نجات دلائی جا سکے۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اس وقت بلڈ بینک قائم کرنا عوامی ضرورت اور عمومی حاجت کے درجے میں ہے، لیکن جن مقامات پر گورنمنٹ کی طرف سے یا غیر مسلم اور سیکولر رفاہی تنظیموں کی طرف سے بلڈ بینک قائم ہوں وہاں الگ سے مسلمانوں کا خاص مسلم بلڈ بینک قائم کرنا عمومی حاجت کے درجے میں نہیں آتا اس لیے ایسی جگہوں پر خالص مسلم بلڈ بینک قائم کرنے کا جواز محلِّ نظر ہے۔ (مقالہ مولانا نفیس احمد مصباحی ص ۱، ۲، ۳)

مولانا نصر اللہ رضوی - رحمہ اللہ و جعل الجنۃ مثواہ - نے اور مولانا عبد الغفار اعظمی نے بھی علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی - دام ظلہ علینا - کی کتاب مستطاب "انسانی خون سے علاج کا شرعی حکم" کے حوالے سے قیام بینک کے لیے مذکورہ تمام شرائط اور فوائد قیود بیان کیے ہیں۔

مذکورہ شرائط کے علاوہ بعض حضرات نے حکومت سے پرمیشن حاصل کرنا بھی جواز بینک کے لیے شرط قرار دیا ہے۔

بہت سے مقالہ نگاروں نے مذکورہ صورت کے علاوہ تحقق حاجت کی یہ صورتیں بھی لکھی ہیں کہ: حالات کشت و خون کے ہوں یا اسی طرح دوسرے حالات رونما ہو چکے ہوں، خواہ وہ بندوں کی جہت سے پیدا کیے گئے ہوں یا سماوی طور پر رونما ہو گئے ہوں جیسے عام آتش زنی، شدید اولہ باری، فرقہ وارانہ تصادم یا گروہی مڈ بھیڑ وغیرہ تو ان تمام حالات میں بھی بینک کا قیام مفید تر ثابت ہو گا۔ اور ان تمام حالتوں میں تحقق حاجت میں کوئی شبہہ نہیں۔

بعض حضرات نے مذکورہ اسباب کے ساتھ ایکسیڈنٹ یا سڑک حادثات کی کثرت، اور مشکل کی گھڑی میں غیر مسلم بلڈ بینکوں کی جانب سے مسلمانوں کے ساتھ متعصبانہ سلوک یا بے توجہی کو بھی تحققِ حاجت کے اسباب میں شمار کیا ہے۔

دوسرا موقف عدم جواز کا ہے، یہ موقف چند علما کا ہے۔ اس پر درج ذیل طریقوں سے استدلال کیا گیا ہے:

❶ محظور شرعی کے مباح یا مرخص ہونے کے لیے ضرورت و حاجت کا بالفعل متحقق ہونا ضروری ہے، آئندہ متحقق ہونے والی ضرورت و حاجت کا کوئی اعتبار نہیں۔ مغنی ابن قدامہ میں ہے:

لكن الضرورة أمر معتبر بوجود حقيقته لا يكتفى فيه بالمظنة، بل متى وجدت الضرورة أباحت سواء وجدت المظنة أم لم توجد ومتى

انتفت لم یبح الأکل لوجود مظنتھا بحال.

(المغني لابن قدامة ج۸، ص ۵۹۸).

امام ابو بکر جصاص حنفی فرماتے ہیں:

قال تعالیٰ: ''اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ'' و قال: ''فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ'' فعلق الإباحة بوجود الضرورة.

(أحكام القرآن ج۱، ص ۱۶۰) (مقالہ مولانا رفیق عالم رضوی)

مفتی معراج القادری نے بھی مغنی کی مذکورہ عبارت سے عدم جواز پر استدلال فرمایا ہے۔

۲ یہ طے شدہ امر ہے کہ خون کا ہبہ اور اس سے انتفاع حاجت یا ضرورت کے وقت جائز ہے، خواہ یہ ضرورت وحاجت انسان کو خود لاحق ہو یا کسی دوسرے مسلم بھائی کو، اور ضرورت یا حاجت سے پہلے ہبہ یا انتفاع ناجائز و حرام ہے۔ بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کے وقت معطی کے حق میں ضرورت یا حاجت نہیں پائی جاتی۔ اور دوسرے مسلم بھائی کی حاجت و ضرورت معطی کے حق میں اس وقت معتبر ہے جب کہ اُس بھائی کی ضرورت کی تکمیل معطی پر موقوف ہو، جیسے دریا کے کنارے کوئی ڈوب رہا ہو اور وہاں متعدّد افراد نماز میں مشغول ہوں، یا صرف ایک نماز پڑھ رہا ہو اور باقی دوسرے کاموں میں ہوں تو تمام نمازیوں کا نیت توڑ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ صرف ایک آدمی کے لیے حکم ہوگا کہ وہ نیت توڑ کر بچائے، اور دوسری صورت میں (جب کہ صرف ایک شخص مشغول نماز ہو) نمازی کے لیے نیت توڑنا جائز نہ ہوگا، اس لیے کہ بچانے کے لیے غیر نمازی موجود ہیں۔

یعنی ڈوبتے، جلتے، کچلتے یا موت وحیات کی کشمکش میں پھنسے کسی انسان کو بچانا موجود غیر موجود ہر کس و ناکس پر ضروری نہیں بلکہ صرف اس پر لازم ہے جو موقع واردات پر موجود ہو۔

مسئلۂ خون میں مریض کی ضرورت کی تکمیل معطی پر موقوف نہیں، اس لیے کہ طبی نقطۂ نظر سے جب کسی مریض کو خون چڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے، تو مریض کے اعزّہ و اقارب خون کے حصول کی کوشش کرتے ہیں، اگر کسی رشتہ دار کا خون صحیح و سالم اور چڑھانے کے لائق ہو اور وہ دینے پر راضی ہو تو اسی کا خون چڑھایا جاتا ہے، اس صورت میں مریض کی حاجت کی تکمیل اس کے رشتہ داروں پر ہے نہ کہ عام مسلمانوں پر۔ اور یہ حاجت خاص کر مریض کے اس رشتہ دار کے حق میں ہوئی جس کا خون مریض کے لیے مفید ہو، اور اگر رشتہ دار میں سے کسی کا خون چڑھانے کے لائق نہ ہو تو بلڈ بینک یا دوسرے ذریعہ سے حاصل کر کے خون چڑھایا جاتا ہے، اس صورت میں حاجت اس مسلمان کے حق میں پائی جائے گی جس کا خون اس مریض کے لیے راحت جان بن سکے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کی حاجت نہیں، لہٰذا خون دینا جائز نہیں، اور جب خون دینا جائز نہیں ہوا تو بلڈ بینک کے قیام کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ (ملخصاً، مقالہ مولانا محمد سلیمان مصباحی، سلطان پور)

اس مقام پر مولانا سلیمان صاحب نے یہ افادہ فرمایا ہے کہ:

روزانہ ایک فی صد خون ختم ہو جاتا ہے اور ایک فی صد بنتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ روزانہ ایک فی صد خون بے کار ہو جاتا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ روزانہ ایک فی صد خون جسم میں تحلیل ہو کر گوشت یا مادۂ منویہ وغیرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور پھر اس کی جگہ نیا خون پیدا ہوجاتا ہے۔

۳ اگر بلڈ بینک قائم کرنا جائز قرار دیا جائے، تو کئی شرعی قباحتیں لازم آئیں گی، مثلاً:

۱- ضرورت یا حاجت کے وقت خون بقدر ضرورت ہی جائز ہے، اور جمع کرنے کے وقت مقدار ضرورت مجہول ہے۔

۲- اطبّا بلا تفریق مسلم و غیر مسلم سب کو خون چڑھادیں گے، حالاں کہ کسی مسلم کا خون کافر حربی کو چڑھانا جائز نہیں، اور غیر مسلموں کو منع کرنے میں فتنہ و فساد کا قوی اندیشہ ہے۔

۳- قیمت لے کر بیچنا شروع کر دیں گے۔

۴- مستحق نہ ملنے کی صورت میں خون ضائع ہو جائے گا۔

ان قباحتوں سے بچنے کے لیے اگر یہ شرائط رکھی جائیں کہ بلڈ بینک مسلمانوں کا ہو، اس کے سارے اطبا اور عملہ متقی و پرہیزگار ہوں، تاکہ خیانت و بددیانتی نہ ہو اور خون صرف مستحقین ہی کو چڑھایا جاسکے، تو اس طریقے پر عمل نہایت دشوار ہے، اس لیے کہ تقوی اور عدالت سے متّصف اطبّا نادر ہیں، لہٰذا ایسی صورت نکالنے سے کوئی فائدہ نہیں جس پر عمل نہ ہو سکے۔

(مقالہ مولانا سلیمان مصباحی، و مقالہ مولانا رفیق عالم)

۴ مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی فرماتے ہیں: بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کی ضرورت اس وقت متحقق ہوگی جب کہ وہاں کوئی ایسا ضرورت مند موجود ہو، خون کے بغیر جس کا کام نہ چلے، لیکن وہاں کوئی ضرورت مند موجود نہ ہو صرف اس لیے جمع کر دیا جائے کہ ''داشتہ بکار آید'' کوئی نہ کوئی ضرورت مند آئے گا، میرے نزدیک درجۂ ضرورت میں نہیں۔

معاملہ در اصل یہ ہے کہ خون انسان کے بدن کا ایک عظیم جز ہے جس میں لوگوں کی خیانتیں عام ہیں۔ ''حق بحق دار رسید'' کا صرف دعوی رہ گیا ہے، مستحق کو اس کا حق حاصل نہیں ہوتا، ''مسلم بلڈ بینک'' قائم کرنے سے کام چلنے والا

نہیں ہے نام مسلم کا ہے کام غیر مسلم کا ہو رہا ہے، ان بلڈ بینکوں میں کتنے دیانت دار، تعصب و نفسانیت اور ترجیحی سلوک سے پاک وصاف لوگ ہوں گے وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں، میں بوقت ضرورت خون دینے کا مخالف نہیں قبل از وقت دینے میں جو خیانت و بد دیانتی اور ترجیح سلوک وغیرہ کو روا رکھا جائے گا اس کا سخت مخالف ہوں۔ دعوے صرف زبان پر ہوتے ہیں اور اصول و ضابطے صرف قید تحریر میں، ان پر عمل کس حد تک ہوتا ہے، یہ روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہے۔ انھیں خیانتوں کا دروازہ بند کرنے کے لیے ہمارے علمانے بیت المال قائم کرنے کی اجازت نہ دی جب کہ بیت المال وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، کتنے مریض ایسے ہیں جو بستر علالت پر درد وکرب سے تڑپ رہے ہیں ان کے علاج اور بلڈ بینک تک آنے اور ان سے خون حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں وہ درد وکرب سے دم توڑ دیتے ہیں ہمارے پاس ایسا کون سا ادارہ ہے جو ان کی حاجت روائی کرے، صرف خون نہ ملنے ہی سے مریض دم نہیں توڑ تا ہے بلڈ بینک میں حون موجود ہے لیکن وہاں تک پہنچنے اور پہنچنے کے بعد خون حاصل کرنے اور خون حاصل کر لینے کے بعد علاج کرانے کا ذریعہ نہیں ہوتا جس کے سبب مریض رخصت ہو جاتا ہے، بلڈ بینک میں خون ہوتا ہے مگر خطیر رقم لینے کے لیے حیلہ سازی ہوتی ہے۔ اس لیے میرے نزدیک ضرورت بوقت ضرورت ہے قبل ضرورت نہیں۔(مقالہ مولانا ناظم علی رضوی مصباحی)

(۵) بلڈ بینک کے قیام کی شرعی ضرورت متحقق نہیں ہے اس لیے کہ خون کے مریضوں کے لیے غیر مسلموں کے قائم کردہ بلڈ بینک سے خون کا حصول متعذر نہیں ہے۔ نیز مریض کے احباب یا رشتہ داروں میں سے کوئی خون دے دے تو مریضوں کو جس گروپ کے خون کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہاسپیٹل کے ذمہ داران فراہم کر دیتے ہیں۔ (اور اس صورت میں جانچ کے طویل مراحل در پیش ہی نہیں ہوتے اس لیے کہ مریض کا رشتہ دار جو خون دیتا ہے، بعینہ وہی خون مریض کے بدن میں نہیں چڑھایا جاتا، اس کو تو بلڈ بینک میں دے دیا جاتا ہے، ہاں! اس کے عوض میں مفید و صالح خون کا وہ مناسب جز فراہم کر دیا جاتا ہے جو پہلے ہی سے جانچ کر کے بلڈ بینک میں محفوظ ہوتا ہے، لہٰذا اسے چڑھا دیا جاتا ہے)

پھر خون کی خرید و فروخت کا راستہ بھی بند نہیں ہوا ہے، بہت سے لوگ ایسے مل جاتے ہیں جو رضا کارانہ طور پر خون دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، جب یہ سارے راستے باقی ہیں اور محظور شرعی کا ارتکاب کیے بغیر مریض کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے، تو ضرورت کا تحقق نہ ہوا، لہٰذا بلڈ بینک کا قیام جائز نہ ہوگا —— بہت سارے مریضوں کے گردے فیل ہو جاتے ہیں، اگر کوئی انسان اپنا ایک گردہ دے دے تو اس کی زندگی کو کوئی خطرہ بھی در پیش نہیں ہوتا۔ ایک گردے سے بھی نارمل زندگی گزاری جا سکتی ہے، تو کیا مستقبل میں طبی ضرورت کے پیش نظر اس کی بھی اجازت دی جائے گی کہ ”کڈنی بینک“ قائم کر لیا جائے اور جن افراد کو اس کی سخت ضرورت در پیش ہو ان کو فراہم کر دی جائے؟۔ (مقالہ مفتی محمود احمد برکاتی)

ان حضرات پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کا بلڈ بینک قائم کرنا شرعاً ناجائز و حرام ہے تو پھر ضرورت مند مریضوں کو بوقت حاجت صالح خون کیسے دستیاب ہوگا۔

اس کے جواب میں ان حضرات نے بلڈ بینک کا ایک متبادل طریقہ تحریر فرمایا کہ: ایک تنظیم یا ایسا امانت دار ادارہ قائم کیا جائے جہاں سے خون دینے والوں کا رابطہ قائم رہے، ان کے خون کا گروپ اور ضروری تفصیلات نام، پتا، فون نمبر وغیرہ کسی رجسٹر میں درج ہوں، اور انھیں بتا دیا جائے کہ وقتِ ضرورت آپ سے خون لینے کے لیے آپ کو بلایا جا سکتا ہے، جب خون کی ضرورت پیش آئے تو عطیہ کنندگان سے رابطہ کر کے ان کا صالح خون لے لیا جائے اور مریض کو خون کے جس جز کی حاجت ہو وہ مریض کے بدن میں چڑھا دیا جائے اور بقیہ اجزا الگ الگ پیکٹ میں محفوظ کر لیے جائیں تاکہ وہ دوسرے مریض کے کام آسکیں، اس صورت میں حاجت مند مریض کی طبی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی اور منہیات شرعیہ کا ارتکاب بھی لازم نہیں آئے گا۔

یہ تھا اس موضوع سے متعلق مقالات، نظریات اور دلائل کا خلاصہ، اب اس کی روشنی میں درج ذیل امور کی تنقیح مطلوب ہے تاکہ مسئلے کے حل تک رسائی آسان ہو۔

تنقیح طلب امور:

(۱) کیا محظور شرعی کے مباح یا مرخّص ہونے کے لیے حاجت یا ضرورت کا فی الحال تحقق ضروری ہے؟

(۲) کیا تخفیف احکام کے لیے ضرورت یا حاجت کے تحقق کا ظن غالب کافی ہوگا؟

(۳) کیا آج کے زمانے میں بلڈ بینک قائم کرنے کی شرعی حاجت یا ضرورت متحقق ہے؟

(۴) کیا محض کسی فائدے کے پیش نظر بدن سے خون نکلوانا جائز ہے؟

(۵) موجودہ دور میں مسلمانوں کا بلڈ بینک قائم کرنا اور اس میں اپنے خون جمع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

☆☆☆

خلاصۂ مقالات بعنوان

جدید ایجادات میں قرآن کریم بھرنے اور اسے چھونے وغیرہ کے احکام

مولانا ساجد علی مصباحی

مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے اربابِ حل و عقد نے اکیسویں فقہی سمینار میں تحقیق و مذاکرہ کے لیے جن پانچ موضوعات کا انتخاب کیا، ان میں دوسرا موضوع ہے "جدید ایجادات میں قرآن کریم بھرنے اور اسے چھونے وغیرہ کے احکام"۔ اس موضوع سے متعلق سراج الفقہاء حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی، ناظم مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے سوال نامہ مرتب فرمایا اور کمپیوٹر کے طریقۂ کار، وجودِ شے کے مراتب اور قرآن کریم کے حقیقی مواطنِ وجود اور تحقیقی مجالی شہود پر روشنی ڈالتے ہوئے مسئلۂ دائرہ کی تحقیق و تشریح اور صحیح حکم شرع کی دریافت کے لیے ہندوستان کے مختلف اضلاع اور ریاستوں میں تدریس و تبلیغ اور تحقیق و افتا کا فریضہ انجام دینے والے علمائے کرام و مفتیانِ عظام کی خدمت میں چھ سوالات پیش کیے:

ان سوالات کے تعلق سے ۳۳؍ علمائے کرام و مفتیان عظام نے اپنے بیش قیمت تحقیقی مقالات اور گراں قدر آرا ارسال فرما کر مجلس شرعی کا دینی و علمی تعاون کیا۔ [اللہ جل شانہ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے] یہ مقالات وآرا فل سکیپ سائز کے ۱۶۰؍ صفحات پر مشتمل ہیں۔ خلاصہ پیش خدمت ہے۔

پہلا سوال اور اس کے جوابات

پہلا سوال ہے: موبائل، سی ڈی، کمپیوٹر، لیب ٹاپ، ٹیب لیٹ، آئی فون وغیرہ میں قرآن پاک کے نقوش اعداد وغیرہ کسی بھی شکل میں محفوظ ہوں تو وہ کلام الٰہی ہیں یا نہیں؟

اس کے جواب میں علمائے کرام کے نظریات دو قسم کے ہیں:

پہلا نظریہ: موبائل، سی ڈی، کمپیوٹر، لیب ٹاپ، ٹیب لیٹ، آئی فون وغیرہ میں قرآن پاک جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہوتا ہے وہ حقیقت میں کلام الٰہی یعنی قرآن کریم نہیں ہوتا ہے، عرف میں اسے مجازاً کلام الٰہی یعنی قرآن کہا جاتا ہے۔ یہ نظریہ بعض علمائے کرام کا ہے۔ ان حضرات کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

☆ قرآن کریم خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے، چنانچہ خدائے وحدہ لاشریک کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ [یوسف ۱۲، آیت ۲]

بیشک ہم نے اسے عربی قرآن اتارا کہ تم سمجھو۔ [کنزالایمان]

وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا [الشوریٰ ۴۲، آیت ۷]

اور یونہی ہم نے تمھاری طرف عربی قرآن وحی بھیجا۔ [کنزالایمان]

قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا غَيۡرَ ذِىۡ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۲۸﴾ [الزمر ۳۹، آیت ۲۸]

عربی زبان کا قرآن جس میں اصلاً کجی نہیں کہ کہیں وہ ڈریں [ایضا]

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اشاد ہے: أحبوا العرب لثلاث؛ لأني عربي والقرآن عربي وكلام أهل الجنة عربي۔

[المستدرك على الصحيحين، فضل كافة العرب، حديث ۶۹۹۹]

اور کمپیوٹر میں جو کچھ محفوظ ہوتا ہے وہ عربی خط یا عربی زبان میں نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ انسانوں کی فہم سے بالاتر خالص کمپیوٹر کی زبان میں ہوتا ہے، جیسا کہ کمپیوٹر کے طریقۂ کار سے ظاہر ہے اور سوال نامہ میں اس کی صرحت بھی ہے۔

☆ نظم قرآن معجز ہے اور ماہیتِ قرآن کا جز ہے، اور کل کا وجود بغیر جز کے نہیں ہو سکتا؛ لہٰذا جدید آلات میں محفوظ نقوش کو حقیقت کے اعتبار سے قرآن نہیں کہا جا سکتا۔ غرائب القرآن میں علامہ نیشاپوری ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"قالوا: وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ [الشعراء ۲۶، آیت ۱۹۶] إِنَّ هذا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى [الاعلی ۸۷، آیت ۱۹، ۱۸] ولاريب أن القرآن بهذا اللفظ ما كان في زبر الأولين لكن بالعِبْرِيّة والسريانية. قلنا: إن القصص والمواعظ موجودة لا باللفظ بل بالمعنى، ولا يلزم من ذلك أن يكون الموجود فيها قرآنا، فإن النظم المعجز جزء من ماهية القرآن والكل بدون الجزء مستحيل".

[غرائب القرآن ورغائب الفرقان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج۱، ص۹۱]

☆ عجمی زبان میں ترجمہ کو قرآن کہنا مجازاً ہوتا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "وَهُوَ اسْمٌ لِلْمُنَزَّلِ بِاللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ الْمَنْظُومِ هَذَا النَّظْمِ الْخَاصِّ، الْمَكْتُوبِ فِي الْمَصَاحِفِ، الْمَنْقُولِ إِلَيْنَا نَقْلًا مُتَوَاتِرًا. وَالْأَعْجَمِيُّ إِنَّمَا يُسَمَّى قُرْآنًا مَجَازًا، وَلِذَا يَصِحُّ نَفْيُ اسْمِ الْقُرْآنِ عَنْهُ، فَلِقُوَّةِ دَلِيلِ قَوْلِهِمَا رَجَعَ إِلَيْهِ. [رد المحتار]

☆ قرآن پاک کے لیے نظم عربی رکنِ لازم ہے، جہاں نظم عربی کا فقدان ہوگا وہاں حقیقت کے لحاظ قرآن کا اطلاق نہیں ہوگا، اور اگر اسے

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

عرف میں قرآن کہا بھی جائے تو وہ مجازا ہوگا۔ چنانچہ اصولِ فقہ کی مشہور ومعروف کتاب ” الحسامی “ میں ہے:

”أما الكتاب فالقرآن المنزل على الرسول عليه السلام، المكتوب في المصاحف، المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبهة، وهو اسم للنظم والمعنى جميعا في قول عامة العلماء، وهو الصحيح من مذهب أبي حنيفة رضي الله عنه، إلا أنه لم يجعل النظم ركنا لازما في حق جواز الصلاة خاصة“. [الحسامي مع شرحه النامي، ص٦، ۵، مجلس بركات]

☆اس کی شرح ” النامی “ میں ہے: ”إلا أنه أي لكن أبا حنيفة رحمه الله لم يجعل النظم ركنا لازما في حق جواز الصلاة خاصة، و أما في غير جواز الصلاة فالنظم ركن لازم كالمعنى حتى يجوز للجنب و الحائض قراءة آية من القرآن بالفارسية؛ لأنه ليس بقرآن لعدم النظم... وقد صح رجوع أبي حنيفة رحمه الله إلى أقوال العامة في حق جواز الصلاة أيضا كما رواه نوح بن أبي مريم“. [الحسامي مع شرحه النامي]

☆فتاویٰ رضویہ میں ہے :

ترجمہ بھی اصل سا ہے وجہِ سجدہ بالیقین
فرق یہ ہے فہمِ معنیٰ اِس میں شرط، اُس میں نہیں
آیتِ سجدہ سنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا
اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہوگیا
ترجمہ میں اُس زبان کا جاننا بھی چاہیے
نظم و معنیٰ دو ہیں، ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ مِنْ وَجْہٍ تو صادق ہو سنا قرآن کو
ورنہ اک موجِ ہوا تھی چھوگئی جو کان کو

[فتاویٰ رضویہ، ج۳، ص۶۵۵، ۶۵۴، رضا اکیڈمی، ممبئی]

اس بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ترجمہ کی زبان جاننے کی صورت میں اسے من وجہ قرآن کہا جائے گا؛ کیوں کہ یہاں نظم عربی کا فقدان ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو کمپیوٹر وغیرہ کی میموری میں جو کچھ محفوظ ہوتا ہے اس پر قرآن کا اطلاق مجازا ہی ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ اس میں ایک کلمہ بھی عربی زبان میں نہیں رہتا۔

ایک شبہہ کا ازالہ : اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ” جو قرآن اللہ جل شانہ کی صفتِ قدیمہ ہے وہی ہماری زبانوں سے متلو، ہمارے کانوں سے مسموع، ہمارے اوراق میں مکتوب، ہمارے سینوں میں محفوظ ہے... اور پُر ظاہر کہ اس بارے سب کسوتیں یکساں ہیں “ لاریب ایسا ہی ہے، لیکن ان مثالوں میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر جگہ اسی نظم عربی کی جلوہ سامانیاں ہیں جس کا ذکرِ جمیل قرآن پاک اور حدیث مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں ہے۔ ہم جو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں وہ نظم عربی ہے، اسی طرح جو سنتے، لکھتے یا محفوظ کرتے ہیں وہ بھی نظم عربی ہی ہے۔ یوں ہی فونو میں جو محفوظ ہوتا تھا وہ بھی نظم عربی ہی ہوتا تھا؛ کیوں کہ قراءت کے وقت جو اشکال حرفیہ ہوائے دہن میں بنتی تھیں وہی اس فونو میں مرتسم ہوتی تھیں ، چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

” اس آلہ یعنی پلیٹوں پر ارتسام اشکال معلوم و مشاہد ہے ، ولہذا چھیل دینے سے وہ الفاظ زائل ہوجاتے ہیں جس طرح کاغذ سے خط کے نقش چھل جاتے ہیں، اور ان سے خالی کرکے دوسرے الفاظ بھر سکتے ہیں جس طرح لکھی ہوئی تختی دھوکر دوبارہ لکھ سکتے ہیں “... ”جس طرح کاغذ کی رقوم میں وہی قرآن کریم مرقوم ہے اسی طرح فونو میں جب کسی قاری کی قراءت بھری گئی اور اشکال حرفیہ کہ ہوائے دہن، پھر ہوائے مجاور میں بنی تھیں اس آلہ میں مرتسم ہوئیں ان میں وہی کلام عظیم مرسوم ہے، اور جس طرح زبان قاری سے جو ادا ہوا قرآن ہی تھا یوں ہی اب جو اس آلہ سے ادا ہوگا قرآن ہی ہوگا“۔ [فتاویٰ رضویہ جلد ۹، نصف آخر، رضا اکیڈمی] [مقالہ راقم السطور ساجد علی مصباحی]

دوسرا نظریہ : موبائل، سی ڈی، کمپیوٹر، لیب ٹاپ، ٹیب لیٹ آئی فون وغیرہ میں قرآن پاک کے نقوش اعداد وغیرہ کسی بھی شکل میں محفوظ ہوں وہ کلام الٰہی یعنی قرآن پاک ہیں۔

یہ نظریہ باقی تمام مقالہ نگار علمائے کرام کا ہے۔ ان حضرات کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆کلام الٰہی ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ صرف اپنی مخصوص رسم وزبان میں محفوظ ومرقوم ہو، بلکہ اس کے علاوہ فارسی، ہندی، انگریزی ودیگر کسی بھی زبان ورسم میں قرآن کریم محفوظ ومرسوم ہو تو اسے بھی کلام الٰہی کہا جائے گا۔ کمپیوٹر، لیب ٹاپ وغیرہ جدید ایجادات کی بھی ایک مخصوص زبان ہے جس میں وہ قرآن کریم کو محفوظ کرلیا کرتے ہیں تو جس طرح فارسی ، ہندی وغیرہ دوسری زبانوں میں محفوظ کلام اللہ کلام الٰہی ہے اسی طرح آلاتِ مذکورہ میں مخصوص زبان میں محفوظ قرآن کریم کلام الٰہی ہوگا۔

☆ کاغذ وغیرہ میں لکھا ہوا قرآن کریم کلام الٰہی ہے تو کمپیوٹر وغیرہ میں لکھا ہوا قرآن کریم کلام الٰہی کیوں نہیں ہوگا، یہ اور بات ہے کہ ان جدید آلات میں کتابت کا جدید طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ [مقالہ مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی، جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف]

☆شرح عقائد میں ہے: (وهو) أي: القرآن الذي هو كلام الله تعالى (مكتوب في مصاحفنا) أي بأشكال الكتابة وصور الحروف الدالّة عليه (محفوظ في قلوبنا) أي بالألفاظ المخيّلة (مقروء بألسنتنا) بحروفه الملفوظة المسموعة (مسموع بآذاننا) بتلك أيضاً (غير حالّ فيها) أي مع ذلك ليس حالاً في المصاحف ولا في القلوب ولا في الألسنة ولا في الآذان، بل هو معنى قديم قائم بذات الله تعالى، يلفظ ويسمع بالنظم الدالّ عليه، ويحفظ بالنظم المخيّل

ویکتب بنقوش وأشکال موضوعة للحروف الدالّة علیه"...وتحقیقه أنّ للشيء وجوداً في الأعیان ووجوداً في الأذهان ووجوداً في العبارة ووجوداً في الکتابة، فالکتابة تدلّ علی العبارة وهي علی ما في الأذهان وهو علی ما في الأعیان".

[شرح عقائد، ص۴۷]

اس عبارت سے ثابت ہے کہ موبائل فون، سی ڈی، لیب ٹاپ وغیرہ میں قرآن کریم اصوات، اشکال کتابت، صورِ حروف، الفاظِ مخیلہ اور الفاظ مسموعہ خواہ کسی شکل میں ہو وہ کلام الٰہی ہے۔ [مقالہ مولانا معین الدین مصباحی، فیض آباد/ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی / مفتی ابرار احمد امجدی، اوجھاگنج]

☆ بدائع الصنائع میں ہے: (وَأَمَّا) قَوْلُهُمْ: إِنَّ الْقُرْآنَ هُوَ الْمُنَزَّلُ بِلُغَةِ الْعَرَبِ-(فَالْجَوَابُ) عَنْهُ مِنْ وَجْهَيْنِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّ كَوْنَ الْعَرَبِيَّةِ قُرْآنًا لَا يَنْفِي أَنْ يَكُونَ غَيْرُهَا قُرْآنًا، وَلَيْسَ فِي الْآيَةِ نَفْيُهُ، وَهٰذَا؛ لِأَنَّ الْعَرَبِيَّةَ سُمِّيَتْ قُرْآنًا لِكَوْنِهَا دَلِيلًا عَلَى مَا هُوَ الْقُرْآن، وَهِيَ الصِّفَةُ الَّتِي هِيَ حَقِيقَةُ الْكَلَامِ، وَلِهٰذَا قُلْنَا: إنَّ الْقُرْآنَ غَيْرُ مَخْلُوقٍ عَلَى إرَادَةِ تِلْكَ الصِّفَةِ دُونَ الْعِبَارَاتِ الْعَرَبِيَّةِ، وَمَعْنَى الدَّلَالَةِ يُوجَدُ فِي الْفَارِسِيَّةِ فَجَازَ تَسْمِيَتُهَا قُرْآنًا، دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ - تَعَالَى -: {وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا} أَخْبَرَ أَنَّهُ لَوْ عَبَّرَ عَنْهُ بِلِسَانِ الْعَجَمِ كَانَ قُرْآنًا.

وَالثَّانِي: إنْ كَانَ لَا يُسَمَّى غَيْرُ الْعَرَبِيَّةِ قُرْآنًا، لَكِنَّ قِرَاءَةَ الْعَرَبِيَّةِ مَا وَجَبَتْ؛ لِأَنَّهَا تُسَمَّى قُرْآنًا بَلْ لِكَوْنِهَا دَلِيلًا عَلَى مَا هُوَ الْقُرْآنُ الَّذِي هُوَ صِفَةٌ قَائِمَةٌ بِاللّٰهِ، بِدَلِيلِ أَنَّهُ لَوْ قَرَأَ عَرَبِيَّةً لَا يَتَأَدَّى بِهَا كَلَامُ اللّٰهِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ، فَضْلًا مِنْ أَنْ تَكُونَ قُرْآنًا وَاجِبًا، وَمَعْنَى الدَّلَالَةِ لَا يَخْتَلِفُ، فَلَا يَخْتَلِفُ الْحُكْمُ الْمُتَعَلِّقُ بِهِ، وَالدَّلِيل عَلَى أَنَّ عِنْدَهُمَا تُفْتَرَضُ الْقِرَاءَةُ بِالْفَارِسِيَّةِ عَلَى غَيْرِ الْقَادِرِ عَلَى الْعَرَبِيَّةِ، وَعُذْرُهُمَا غَيْرُ مُسْتَقِيمٍ؛ لِأَنَّ الْوُجُوبَ مُتَعَلِّقٌ بِالْقُرْآنِ وَإِنَّهُ قُرْآنٌ عِنْدَهُمَا بِاعْتِبَارِ اللَّفْظِ دُونَ الْمَعْنَى، فَإِذَا زَالَ اللَّفْظُ لَمْ يَكُنْ الْمَعْنَى قُرْآنًا فَلَا مَعْنَى لِلْإِيجَابِ، وَمَعَ ذٰلِكَ وَجَبَ، فَدَلَّ أَنَّ الصَّحِيحَ مَا ذَهَبَ إلَيْهِ أَبُو حَنِيفَةَ؛ وَلِأَنَّ غَيْرَ الْعَرَبِيَّةِ إذَا لَمْ يَكُنْ قُرْآنًا لَمْ يَكُنْ مِنْ كَلَامِ اللّٰهِ - تَعَالَى - فَصَارَ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ وَهُوَ يُفْسِدُ الصَّلَاةَ، وَالْقَوْلُ بِتَعَلُّقِ الْوُجُوبِ بِمَا هُوَ مُفْسِدٌ غَيْرُ سَدِيدٍ.

[مقالہ مفتی محمد شہاب الدین اشرفی، جامع اشرف، کچھوچھہ شریف]

☆ آلات جدیدہ میں قرآن حکیم کے نقوش جو برقی لہروں کے طور پر محفوظ ہوں وہ کلام الٰہی ہی ہیں، اس کی مثال قلب حافظ میں محفوظ ہونے والے قرآن حکیم کی ہے جو غیر مرتب حروفِ مخیلہ کی شکل میں حافظ کے سینے میں محفوظ ہوتا ہے۔ شرح عقائد میں ہے:

"بل المعنی أنّ اللفظ القائم بالنفس لیس مرتّبَ الأجزاء في نفسه کالقائم بنفس الحافظ من غیر ترتُّبِ الأجزاء، وتقدُّم البعض علی البعض، والترتّب إنما یحصل في التلفّظ والقراءة لعدم مساعدة الآلة، وهذا معنی قولهم: المقرو قدیم والقراءة حادثة، وأمّا القائم بذات اللّٰه تعالی فلا ترتّب فیه، حتی أنّ من سمع کلامه تعالی سمعه غیرَ مرتّب الأجزاء لعدم احتیاجه إلی الآلة."

[مقالہ مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی، ص۱]

☆ علامہ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

" فعند أهل الحق کلامه لیس من جنس الأصوات والحروف بل صفة أزلیة قائمة بذات اللّٰه تعالی منافیة للسکوت والاٰفة کما في الخَرَس والطُفولیة، هو بها آمر، ناه، مخبر، یدل علیها بالعبارة أو الکتابة أو الإشارة فإذا عبر عنها بالعربیة فقرآن وبالیونانیة فإنجیل و بالعِبرانیة فتورٰة وبالسریانیة فزبور فالاختلاف في العبارات دون المسمی کما إذا ذُکر اللّٰه تعالی بألسنة متعددة ولغات مختلفة".

شرح مقاصد کی عبارت " یدل علیها بالعبارة أو الکتابة أو الإشارة" سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر رموز واشارات کی شکل میں بھی قرآن پاک ہو تو وہ بھی قرآن ہی کے حکم میں ہوگا۔

☆ اگر مان بھی لیا جائے کہ میموری کے اندر 1,0 کے نقوش وخطوط ہی محفوظ ہیں جن کو کنورٹ کر کے کمپیوٹر الفاظ کی شکل میں پیش کرتا ہے، تو بھی ہم کہیں گے کہ یہ قرآن ہے؛ اس لیے کہ قرآن کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مضمر ہو، دوسری یہ کہ مظہر ہو۔ میموری میں محفوظ اعداد اگرچہ اعداد ہیں لیکن ان میں قرآن کریم مضمر ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: کافر کو اگر تعویذ دیا جائے تو مضمر جس میں ہندسے ہوتے ہیں، نہ کہ مظہر جس میں کلام الٰہی و اسماے الٰہی کے حروف ہوتے ہیں۔ [مقالہ مولانا محمد ناصر حسین مصباحی]

☆ انوار المنان فی توحید القرآن میں ہے:

"فالکلام الإلٰهي صفة واحدة قائمة بذاته تعالی تختلف تعیناته بالمَحالّ وهي في حد ذاتها قدیمة فإذا نزل علی لسان جبریل کساها تعینات بها صارت مرتبة فإذا قرأ جبریل غیر قارة فسمعه الرسول فانحفظت في صدره کما سمع مرتبة لکن علی صفة القرار فالحقیقة واحدة وظهوراتها مختلفة فطوراً تظهر بکسوة و أخری بأخری، وظهور شيء واحد بتعینات شتی غیر منکر".

[مقالہ مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی]

☆ ان عبارتوں کے علاوہ " الکشف شافیا حکم فونو جرافیا" کی وہ عبارتیں بھی پیش کی گئی ہیں جو سوال نامہ میں مذکور ہیں یا " انوار المنان في توحید القرآن " سے ان کا عربي ترجمہ، یا ان سے ملتی جلتی دوسری عبارتیں نقل کی گئی ہیں، چوں کہ وہ مضمون سوال نامہ میں موجود ہے؛ اس لیے ہم نے اسے یہاں ترک کر دیا ہے۔

دوسرا سوال اور اس کے جوابات

دوسرا سوال ہے: اس کو بلا حائل، بے وضو چھونے کا کیا حکم ہے، خواہ وہ اسکرین پر شکلِ مرسوم میں نمایاں ہو یا اندر کہیں کسی بھی شکل میں مخفی و موجود ہو؟

اس سوال کے دو جز ہیں:

(الف) قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں اگر وہ اسکرین پر شکل مرسوم (یعنی قرآن پاک کی معروف شکل) میں نمایاں ہوں تو ان کے چھونے کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں مندوبین کے تین نظریات ہیں۔

پہلا نظریہ: پرانے قسم کے کمپیوٹر میں اگر قرآن پاک اسکرین پر شکلِ مرسوم میں نمایاں ہو تو اس کے چھونے میں حرج نہیں، اور نئے قسم کے کمپیوٹر میں بے وضو چھونا ناجائز ہے۔ یہ نظریہ مولانا قاضی فضل احمد مصباحی، مدرسہ ضیاء العلوم، بنارس کا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"اسکرین پر شکل مرسوم میں نمایاں ہو تو چوں کہ کمپیوٹر اور موبائل وغیرہ میں کئی زجاجی غلاف ہوتے ہیں، باہر والا شیشہ اسکرین سے منفصل ہوتا ہے؛ اس لیے بیرونی حصہ کو چھونے میں حرج نہیں کہ وہ اسکرین سے الگ اور جدا ہے، تاہم تقاضۂ احتیاط یہی ہے کہ اسے بھی بلا وضو ہاتھ لگانے سے اجتناب کرے۔ یہ صورت پرانے قسم کے کمپیوٹروں کی ہے۔ نئے قسم کے کمپیوٹر، لیب ٹاپ وغیرہ میں زجاجی رنگ کا غلاف اسکرین سے بالکل متّصل اور چپکا ہوا ہوتا ہے اور اسکرین کے عمل میں دخیل بھی ہے؛ لہذا ان کا بے وضو چھونا جائز نہیں"۔

دوسرا نظریہ: قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں اگر اسکرین پر شکل مرسوم میں نمایاں ہوں تو اسکرین کا بلا حائل بے وضو چھونا جائز ہے، لیکن بچنا بہتر ہے۔

یہ نظریہ چند علماے کا ہے۔ ان کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆ قرآن کریم کے اوپر غلاف یا جزدان ہو تو اسے بے وضو چھونا جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

"لا يجوز للجنب والمحدث مس المصحف (إلا بغلافه المنفصل) أي كالجراب والخريطة دون المتصل كالجلد المشرز هو الصحيح، وعليه الفتوى؛ لأن الجلد تبع له"۔ [مقالہ مولانا محمد ناصر حسین مصباحی]

☆ اور غلاف کے تعلق سے عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: (وَغِلَافُهُ مَا كَانَ مُتَجَافِيًا عَنْهُ) أَيْ مُتَبَاعِدًا بِأَنْ يَكُونَ شَيْئًا ثَالِثًا بَيْنَ الْمَاسِّ وَالْمَمْسُوسِ، وَلَا يَكُونُ مُتَّصِلًا بِهِ كَالْجِلْدِ الْمُشَرَّزِ فَيَنْبَغِي أَلَّا يَكُونَ تَابِعًا لِلْمَاسِّ كَالْكُمِّ وَلَا لِلْمَمْسُوسِ كَالْجِلْدِ الْمُشَرَّزِ. قَالَ صَاحِبُ التُّحْفَةِ: اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِي الْغِلَافِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ الْجِلْدُ الَّذِي عَلَيْهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ الْكُمُّ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ الْخَرِيطَةُ، وَهُوَ الصَّحِيحُ؛ لِأَنَّ الْجِلْدَ تَبَعٌ لِلْمُصْحَفِ وَالْكُمُّ تَبَعٌ لِلْحَامِلِ وَالْخَرِيطَةُ لَيْسَتْ بِتَبَعٍ لِأَحَدِهِمَا. [العناية شرح الهداية، باب الحيض والاستحاضة]

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلاف یا جزدان سے مراد ہر وہ چیز ہے جو ماس (چھونے والے) و ممسوس (جسے چھوا جائے) کے درمیان حائل ہو اور دونوں میں سے کسی کے تابع نہ ہو، اب اس روشنی میں جب ہم کمپیوٹر وغیرہ کی اسکرین کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شیشہ بھی ماس و ممسوس کے درمیان حائل ہوتا ہے اور دونوں میں سے کسی کے تابع بھی نہیں ہوتا، ماس کے تابع نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے، اور ممسوس کے تابع اس لیے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ مواد جو ہمیں نظر آتے ہیں وہ شیشہ کی کسی حرکت کے بغیر اِدھر اُدھر منتقل ہوتے رہتے ہیں، اور ان میں حذف واضافہ، یا خود انھیں وہاں لانا یا وہاں سے ہٹانا اسکرین کی کسی حرکت کے بغیر عام بات ہے، اس کا حال ایسا ہی لگتا ہے جیسا کہ شیشہ کی الماری میں کچھ کتابیں رکھ دی جائیں تاکہ وہ باہر سے دکھائی دیں اور ضرورت پڑنے پر وہاں سے نکال لی جائیں، تو جیسے یہاں الماری کتابوں کے تابع نہیں اسی طرح کمپیوٹر اسکرین بھی ان مواد کے تابع نہیں جو اس پر نظر آتے ہیں؛ لہذا قرآن پاک اس پر نظر آنے کی صورت میں بھی اسے چھونے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن چوں کہ کلمات صاف نظر آتے ہیں جس سے شبہہ ہوتا ہے کہ عین مکتوب کو چھو رہا ہے؛ اس لیے احتیاط بہتر ہے۔ [مقالہ ساجد علی مصباحی]

تیسرا نظریہ: قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں اگر وہ اسکرین پر شکل مرسوم میں نمایاں ہوں تو بلا حائل بے وضو ان کا چھونا جائز نہیں ہے۔ یہ نظریہ باقی تمام مقالہ نگار علماے کرام کا ہے۔ ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ قرآن کریم میں ہے: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿۷۹﴾ [الواقعہ ۵۶، آیت ۷۹] اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

☆ در مختار اور ردالمحتار میں ہے: (و) يحرم (به) أي بالأكبر (وبالأصغر) مس مصحف أي ما فيه آية كدرهم وجدار. قوله (أي ما فيه آية الخ) أي المراد مطلق ما كتب فيه قرآن مجازا من إطلاق اسم الكل على الجزء أو من باب الإطلاق والتقييد. قال: لكن لا يحرم في غير المصحف إلا بالمكتوب أي موضع الكتابة"۔ [مقالہ مفتی ابرار احمد امجدی، مرکز تربیت افتا، اوجھاگنج/ مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی، مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد]

☆ بہار شریعت حصہ دوم میں ہے: رُوپیہ پر آیت لکھی ہو تو ان سب کو (یعنی بے وُضو اور جنب اور حَیض و نِفاس والی کو) اس کا چھونا حرام ہے۔ ہاں اگر تھیلی میں ہو تو تھیلی اٹھانا جائز ہے۔ یوہیں جس برتن یا گلاس پر سورہ یا آیت لکھی ہو اس کا چھونا بھی ان کو حرام ہے اور اس کا استعمال سب کو مکروہ مگر جب کہ خاص بہ نیتِ شفا ہو۔ مسئلہ: قرآن کا ترجمہ فارسی یا اردو یا کسی اور زبان میں ہو اس کے بھی چھونے اور پڑھنے میں قرآنِ مجید ہی کا سا حکم ہے۔ [مقالہ مولانا عبد الغفار اعظمی]

☆ اسکرین پر قرآن کریم کی سورت یا آیت نمایاں ہو تو خاص اس اسکرین و حاشیۂ اسکرین کو بلا حائل بے وضو چھونا حرام ہے، اور موبائل، لیب ٹاپ، کمپیوٹر وغیرہ کی باڈی کا جو حصہ اس اسکرین سے متّصل بہ اتصال قرار ہے، اس کا چھونا بھی ناجائز ہوگا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

"وَلَا مَسُّ الْمُصْحَفِ مِنْ غَيْرِ غِلَافٍ عِنْدَنَا... وَقَالَ بَعْضُ مَشَايِخِنَا

: إنَّمَا يُكْرَهُ لَهُ مَسُّ الْمَوْضِعِ الْمَكْتُوبِ دُونَ الْحَوَاشِي ، لِأَنَّهُ لَمْ يَمَسَّ الْقُرْآنَ حَقِيقَةً ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُكْرَهُ مَسُّ كُلِّهِ ، لِأَنَّ الْحَوَاشِيَ تَابِعَةٌ لِلْمَكْتُوبِ فَكَانَ مَسُّهَا مَسًّا لِلْمَكْتُوبِ"۔

مشائخ کے راجح قول کے مطابق متّصل بہ اتصال قرار جلد یا باڈی کا متّصل حصہ غلافِ منفصل کے حکم میں نہیں ہے، مگر فقیر کا رجحان ہے کہ خاص اس مسئلے میں تاثیم امت سے بچنے کے لیے مشائخ کے اس قول پر حکم دیا جائے جس کے مطابق غلاف نام ہے "الجلد المتصل بالمصحف" کا؛ کیوں کہ عام طور پر لوگ مونیٹر [MONITER] کے اس حصے کو بھی چھوتے ہیں جس کی حیثیت حاشیہ کی ہے یا متّصل بہ اتصال قرار کی۔

[مقالہ مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی، گھوسی]

❋ اس نظریہ کے حامل مقالہ نگاروں میں بعض حضرات نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ صرف ان نقوش کو بلا وضو چھونا منع ہے، باقی کمپیوٹر اور موبائل کے دیگر حصوں کو چھونا جائز ہے۔ **ان کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:**

☆ اگر قرآنی آیات کے حروف و کلمات بشکل مکتوب اسکرین کی تختی پر نمایاں ہوں تو قرآن عظیم کے عینِ حروف خطیہ کو چھونے کے لیے طہارت ضروری ہے۔ باقی اسکرین کے خالی حصے، سطروں کے درمیان کا سادہ حصہ اور اسکرین کے حاشیہ کو بے وضو چھونے میں کوئی حرج نہیں؛ کہ مصحف کے علاوہ لوح و قرطاس، درہم و دینار، در و دیوار، یا کسی اور شے پر قرآن کی آیت لکھی ہو تو عین مکتوب کو چھونے کے لیے طہارت ضروری ہے، رہے بیاض و حواشی اور دیگر خالی مقامات تو انھیں بے وضو بھی چھوا جا سکتا ہے۔ البحر الرائق میں ہے:

لٰكِنْ لَا يَجُوزُ مَسُّ الْمُصْحَفِ كُلِّهِ الْمَكْتُوبِ وَغَيْرِهِ بِخِلَافِ غَيْرِهِ فإنه لا يُمْنَعُ إلَّا مَسُّ الْمَكْتُوبِ، كَذَا ذَكَرَهُ في السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ مع أَنَّ في الْأَوَّلِ اخْتِلَافًا فقال في غَايَةِ الْبَيَانِ: وقال بَعْضُ مَشَايِخِنَا: الْمُعْتَبَرُ حَقِيقَةُ الْمَكْتُوبِ حتى إنَّ مَسَّ الْجِلْدِ وَمَسَّ مَوَاضِعِ الْبَيَاضِ لَا يُكْرَهُ؛ لِأَنَّهُ لم يَمَسَّ الْقُرْآنَ وَهَذَا أَقْرَبُ إلَى الْقِيَاسِ وَالْمَنْعُ أَقْرَبُ إلَى التَّعْظِيمِ.

رسائل ابن عابدین شامی میں ہے: "في السراج لا يجوز مس آية في لوح أو درهم أو حائط، ويجوز مس غير موضع الكتابة بخلاف المصحف فإن الكل فيه تبع للقرآن، وكذا كتب التفسير لا يجوز مس موضع القرآن منها، وله أن يمس غيره. كذا في الإيضاح". [١١٣]

طحطاوی علی المراقی میں ہے: وفيما عدا المصحف إنما يحرم مس الكتابة لا الحواشي، ويحرم الكل في المصحف؛ لأن الكل تبع له كما في الحدادي وغيره"۔ [مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی / مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی / مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی]

دوسرے سوال کا دوسرا جز: (ب) قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں خود ان نقوش یا ان مقامات و آلات کو جہاں وہ محفوظ ہیں، چھونے کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں مندوبین کرام کے دو نظریات ہیں:

پہلا نظریہ: جدید ایجادات میں قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں خود ان نقوش یا ان مقامات و آلات کو جہاں وہ محفوظ ہیں، بلا حائل بے وضو چھونا ناجائز ہے۔

یہ نظریہ بعض علما کا ہے۔ ان کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆ وہ CD اور DVD جس میں قرآن عظیم کسی بھی شکل میں محفوظ ہے اس کو بلا حائل بے وضو چھونا ناجائز ہے، بلکہ اسے رومال وغیرہ کسی پاک کپڑے کے ذریعہ چھونا چاہیے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ قرآن اسکرین پر مرسوم شکل میں نمایاں نہ ہو۔ مگر اتنا تو ہے کہ اس میں قرآن کے حروف، نقوش، الفاظ سب کے سب محفوظ ہیں۔ [مقالہ مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی، خیر آباد]

☆ فتاویٰ رضویہ میں ہے: محدث کو مصحف چھونا مطلقاً حرام ہے خواہ اُس میں صرف نظم قرآن عظیم مکتوب ہو یا اُس کے ساتھ ترجمہ و تفسیر و رسم خط وغیرہا بھی؛ کہ ان کے لکھنے سے نام مصحف زائل نہ ہوگا، آخر اُسے قرآن مجید ہی کہا جائے گا ترجمہ یا تفسیر یا اور کوئی نام نہ رکھا جائے گا، یہ زوائد قرآن عظیم کے توابع ہیں اور مصحف شریف سے جُدا نہیں ولہٰذا حاشیہ مصحف کی بیاض سادہ کو چھونا بھی ناجائز ہوا بلکہ پٹھوں کو بھی بلکہ چولی پر سے بھی بلکہ ترجمہ کا چھونا خود ہی ممنوع ہے اگرچہ قرآن مجید سے جُدا لکھا ہو۔

[مقالہ مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی]

☆ اس نظریہ کے حامل علمائے کرام نے عموماً ان دلائل سے استدلال کیا ہے جو خاص مصحف شریف سے متعلق وارد ہیں، گویا وہ اسے محفوظ مصحف کے حکم میں مانتے ہیں۔

دوسرا نظریہ: جدید ایجادات میں قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں خود ان نقوش یا ان مقامات و آلات کو جہاں وہ محفوظ ہیں، بلا حائل بے وضو چھونا جائز ہے۔ یہ نظریہ باقی علمائے کرام کا ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

☆ بلا حائل بے وضو چھونا جائز ہے؛ اس لیے کہ اس حالت میں وہ قرآن نہیں ہے، اور اگر اسے مجازاً قرآن کہا بھی جائے تو بھی اس کے چھونے میں کوئی حرج نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ چھونے کا تعلق مکتوب مستبین سے ہے اور اس میں جو کچھ محفوظ ہے بلا شبہہ وہ مکتوب مستبین نہیں ہے۔ [یہ دلیل ان حضرات کی بھی ہے جو اس محفوظ کو ڈ کو قرآن نہیں کہتے ہیں]

☆ موبائل اور کمپیوٹر کی میموری میں قرآن حکیم کی تحمیل کے بعد جو محفوظ ہے وہ قرآن پاک ہے، لیکن اس پر مصحف کا حکم جاری نہ ہوگا؛ کیوں کہ

قرآن حکیم جب شکل مرسوم کے ساتھ مکتوب ہوگا اس وقت اسے بلا وضو بغیر غلاف کے چھونا ناجائز ہے۔ نبراس میں ہے :

يحرم للمحدث مس القرآن، أي بوجوده الخطي۔

☆اس کے علاوہ کسی بھی شی کے ممسوس ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرئی ومشاہد ہو اور میموری میں جو محفوظ ہے وہ مرئی ومشاہد نہیں ہے؛ اس لیے وہ قابل مس ہے ہی نہیں، جیسے قلب حافظ میں جو محفوظ ہے وہ قرآن کریم ہے، مگر چوں کہ وہ مرئی ومشاہد نہیں ہے: اس لیے وہ قابل مس نہیں ہے، اسی بنا پر بلا وضو اس سے مصافحہ وغیرہ کیا جا سکتا ہے۔

☆مزید یہ کہ عرف میں جس کو مصحف کہا جاتا ہے اسے بلا وضو چھونا ناجائز ہے اور میموری میں جو محفوظ ہے عرف میں کوئی اسے نہ مصحف کہتا ہے نہ سمجھتا ہے؛ اس لیے بلا وضو اسے چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”لأن الممنوع لغير الطاهر مس ما يقال في العرف القرآن و إلا فالحروف نقوش دالة على القرآن، وفي العرف يقال لمجموع الجلد والأوراق القرآن ولمن مس الدفتين يقال له إنه ماس للقرآن فافهم“۔

[رسائل الأركان]

پھر میموری میں قرآن کریم کے علاوہ دیگر بہت سی چیزیں لوڈ ہوتی ہیں تو بالفرض اگر اسے مکتوب ومرسوم کے درجے میں ٹھہرایا جائے جب بھی اسے بلا وضو چھونے میں حرج نہیں کہ اس تقدیر پر اس کی حیثیت کتب تفسیر کی ہوئی جنھیں محدث کے لیے چھونا جائز ہے۔

در مختار میں ہے :”وقد جوز أصحابنا مس كتب التفسير للمحدث ولم يفصلوا بين كون الأكثر تفسيرا أو قرآنا ولو قيل به اعتبارا للغالب لكان حسنا. قلت: لكنه يخالف ما مر، فتدبر“۔

[مقالہ مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی]

تیسرا سوال اور اس کے جوابات

تیسرا سوال ہے : میموری میں غزلیات، فلمی گانے، لطائف، طنز ومزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک کی تحمیل [UPLOAD] کا کیا حکم ہے ؟ خواہ مکمل قرآن یا اس کی کچھ سورتیں یا آیتیں۔

اس سوال کے جواب میں مندوبین کے تین نظریات ہیں:

پہلا نظریہ : میموری میں غزلیات، فلمی گانے، لطائف، طنز ومزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک کی تحمیل درست نہیں/ناجائز ہے/حرام اور تحقیر محترم کی وجہ سے گناہ ہے۔

یہ نظریہ چند علما کا ہے۔ ان کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆ اگر یہ محقق بھی ہو جائے کہ میموری کارڈ اور سی ڈی وغیرہ کے بنانے میں کہیں نجاست کا خلط نہیں، جب بھی ان آلات وایجادات میں قرآن کو بھرنا درست نہیں؛ کہ سننا سنانا عموماً لہو ولعب کے طور پر ہوتا ہے۔

[مقالہ مولانا قاضی فضل احمد مصباحی، بنارس]

☆اس صورت میں قرآن پاک کی تحمیل ناجائز وگناہ ہے؛ کہ قرآن یا آیات قرآنیہ کو فلمی گانے اور تصاویر وغیرہ اشیاے قبیحہ کے ساتھ خلط یا ضم کرنا لازم آئے گا، بلکہ محل نجاست اور مواقع شیطان میں قرآن کو رکھنے کے مرادف ہوگا اور قرآن کو ایسی جگہوں میں رکھنا، پڑھنا دونوں منع ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے :”المجلس الذي اجتمعوا فيه للغِناء والرقص لا يُقرأ فيه القرآن كما لا يُقرأ في البِيَع والكنائس؛ لأنه مجمع الشيطان“۔ [مقالہ مولانا معین الدین مصباحی، دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد]

☆ اس صورت میں تحمیل ممنوع ہونی چاہیے کہ یہ جمع بین الضدین اور حق وباطل کی آمیزش کے مترادف ہے۔

[مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی، دار العلوم ندائے حق، امبیڈکر نگر]

☆اس صورت میں تحمیل حرام ہے؛ کیوں کہ اس میں قرآن پاک کی بے ادبی ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے :”اگر بھرنے والوں نے ایک ہی رکاٹ کے ایک پہلو پر کچھ آیات یا اشعار حمد ونعت اور دوسرے پر کچھ خرافات بھری ہیں تو یہ بے ادبی وجمع ضدین ان کا فعل ہے“۔

[مقالہ مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی، مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد]

دوسرا نظریہ : میموری میں غزلیات، فلمی گانے، لطائف، طنز ومزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک کی تحمیل خلاف ادب ہے/بے ادبی ہے/بچنا لازم ہے۔

یہ نظریہ اکثر علما کا ہے۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ سی ڈی یا میموری کارڈ میں اگر چہ الگ الگ مختلف فائلیں ہوتی ہیں تاہم ان کے درمیان فرق وامتیاز واضح نہیں ہوتا، قرآن کریم اس طرح کی سی ڈی یا میموری میں تحمیل کرنا اس کو لہو ولعب میں لانے کے مترادف ہے اور قرآن حکیم کی بے ادبی ہے۔

[مقالہ مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی، جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف]

☆اس میں پورا قرآن یا اس کی کوئی آیت لوڈ کرنا بے ادبی ہے جیسے کہ قرآن کی تفسیر کے ساتھ ساتھ مزاحیہ اشعار لکھنا بے ادبی ہے اگر چہ بطور استشہاد ہو۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے :

علماے کرام نے زمخشری معتزلی کا تفسیر میں بعض ابیات ہزل لانا اگر چہ بروجہ استشہاد تھا مذموم ومعیوب وخلاف ادب جانا“۔

[مقالہ مولانا دستگیر عالم مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور]

☆ایسی میموری میں پورے قرآن پاک یا اس کی کچھ سورتوں یا آیتوں کی تحمیل کا مطلب ہے کہ سوال میں مذکور فحش اور مخرب اخلاق چیزوں کے ساتھ

قرآن کا ملانا۔اور یہ نہ صرف شرع وعقل بلکہ عرف کے اعتبار سے بھی مجانست یعنی قرآن پاک کو اور ان گندی چیزوں کو ہم جنس ٹھہرانا اور ان کے درمیان کوئی فرق نہ کرنا ہے۔اور یہ سخت مذموم ومعیوب اور خلاف ادب ہے۔فقیہ اسلام امام احمد رضا فرماتے ہیں: تعظیم قرآن عظیم ایمان مسلم ہے، اس کے لیے کسی خاص آیت وحدیث کی کیا حاجت اور تعظیم وبے تعظیمی میں بڑا دخل عرف کو ہے۔

[مقالہ مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی]

☆ اس طرح کی میموری میں قرآن پاک کی تحمیل بے ادبی ہے جسے ایمان والا گوارا نہیں کرتا؛ یہ شرعاً ناجائز امور اپنے اندر نجاست معنوی رکھتے ہیں، تو ان میں قرآن کریم اپلوڈ کرنا تقاضۂ ادب کے خلاف ہے، عرف میں بھی اہل ایمان اسے بے ادبی سمجھتے ہیں، اور تعظیم وبے تعظیمی میں بڑا دخل عرف کا بھی ہے۔

[مقالہ مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی]

تیسرا نظریہ: میموری میں غزلیات، فلمی گانے، لطائف، طنز ومزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک کی تحمیل جائز ہے، اس میں کوئی بے ادبی نہیں۔

یہ نظریہ بعض علمائے کرام کا ہے۔ان حضرات کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆ اس صورت میں قرآن پاک لوڈ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ میموری میں متعدّد خانے [Folder] بنے ہوتے ہیں، یہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ایک گھر میں متعدّد کمرے ہوتے ہیں، اگر ایک کمرے میں کوئی ناجائز چیز رکھی گئی ہو تو اس گھر کے دوسرے کمرے میں قرآن کے نسخوں کو رکھنا اس کی اہانت نہیں کہلائے گا۔اسی طرح ایک فولڈر میں اگر پورا قرآن پاک یا اس کی کچھ آیتیں ہوں اور دوسرے میں یہ ممنوع اشیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیے۔ہاں! ایک ہی فولڈر میں فلمی گانے، ناٹک، غزلیں اور قرآن کریم کو ایک ساتھ محفوظ کرنا قرآن پاک کی عظمت کے منافی معلوم ہوتا ہے۔[مقالہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی]

☆ امور محظورہ کے ساتھ اجتماع سے بچنے کی یہ صورت نہیں ہونی چاہیے کہ ان کے ساتھ اس کی تحمیل ناجائز ہو، بلکہ اگر وہ پہلے سے اپلوڈ ہوں تو ان کو ڈیلیٹ کرنے کا حکم ہونا چاہیے، بالکل اسی طرح جیسے مزارات پر مناہی شرع کو روکا تو جاسکتا ہے لیکن ان کی بنیاد پر حاضری مزارات کو ترک نہیں کیا جاسکتا، فان الضرر لا یزال بالضرر۔

نیز صورت بالا میں تحمیل قرآن کو ناجائز قرار دینے کی صورت میں منع تعلیم قرآن بھی لازم آئے گا جو بجائے خود امر محظور ہے، جب کہ فقہانے تضییع حفظِ قرآن کے خطرے کے پیش نظر نابالغوں کے لیے دفع مصحف کا حکم دیا ہے۔[مقالہ مولانا خالد ایوب مصباحی، جامعہ اشرفیہ]

☆ میموری میں الگ الگ خانے بنے ہوتے ہیں، جن خانوں میں پہلے سے کوئی غزل یا گانا ہوتا ہے ان میں کسی بھی دوسری چیز کو لوڈ کیا ہی نہیں جاسکتا ہے جب تک کہ پہلے ان غزلیات وہزلیات کو محو نہ کردیا جائے؛ لہٰذا اگر قرآن کریم کو اس میموری میں محفوظ کیا جائے جس میں غزلیات وغیرہ ہیں تو کوئی بے ادبی نہیں ہوگی؛ لہٰذا ایسی میموری میں قرآن پاک بھرنا جائز ہے، لیکن بچنا اولیٰ وبہتر ہے۔

[مقالہ مولانا محمد ناصر حسین مصباحی]

باقی دو حضرات نے اس تعلق سے اپنی کوئی رائے رقم نہیں فرمائی۔

چوتھا سوال اور اس کے جوابات

چوتھے سوال کے دو جز ہیں۔**پہلا جز ہے:** قرآن پاک میموری کارڈ میں محفوظ ہو تو میموری کارڈ کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں ہمارے مندوبین کرام کے دو موقف ہیں:

پہلا موقف: قرآن پاک میموری کارڈ میں محفوظ ہو تو اس کا بلا حائل بے وضو چھونا ناجائز/حرام ہے۔

یہ موقف بعض علما کا ہے۔ان کے دلائل کا حاصل یہ ہے کہ:

☆ وہ میموری کارڈ جس میں قرآن کریم محفوظ ہے وہ بغیر جزدان قرآن کے حکم میں ہے۔وہ قرآن ہی کے مثل محترم ومعظم ہے۔میموری کارڈ اور سی ڈی کے ساتھ قرآن کریم کا اتصال ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم کی جلد کا اتصال قرآن کریم کے ساتھ ہے، اور بلا طہارت قرآن کریم کی جلد کو چھونا ناجائز ہے؛ لہٰذا جس میموری کارڈ یا سی ڈی میں قرآن کریم محفوظ ہو اس کا بھی بے طہارت چھونا ناجائز ہوگا۔

دوسرا موقف: قرآن پاک میموری کارڈ میں محفوظ ہو تو اس کا بلا حائل بے وضو چھونا جائز ہے۔

یہ موقف باقی مقالہ نگار علمائے کرام کا ہے۔اور ان کے دلائل وہی ہیں جو دوسرے سوال کے جواب میں مذکور ہیں۔مثلاً:

☆ جو کچھ میموری کارڈ میں کوڈ کی شکل میں محفوظ ہے وہ درحقیقت قرآن نہیں ہے۔اور اگر قرآن ہو بھی تو وہ محفوظ فی القلوب کی طرح سے ہے اور چھونے کا تعلق مکتوب مستبین سے ہے۔نیز اسے عرف میں مصحف نہیں کہا جاتا ہے۔وغیرہ

چوتھے سوال کا **دوسرا جز** ہے: جب وہ میموری کارڈ موبائل میں لگا دیا جائے تو موبائل کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس صورت میں بے وضو بلا حائل اس موبائل کا چھونا جائز ہے؛ اس لیے کہ جن حضرات کے نزدیک خود میموری کارڈ کا چھونا جائز ہے تو موبائل میں لگانے کے بعد موبائل کا چھونا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا؛ کہ اب ایک غلاف کا اضافہ ہوگیا۔اور

جن حضرات کے نزدیک میموری کارڈ کا چھونا جائز نہیں ہے، ان کے نزدیک بھی موبائل کا چھونا جائز ہے؛ کیوں کہ وہ موبائل میموری کارڈ کے لیے باکس یا غلاف کی منزل میں ہے۔ اور باکس یا غلاف کے اوپر سے قرآن کریم چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پانچواں سوال اور اس کے جوابات

پانچواں سوال ہے : اور بہر حال درج بالا آلات سے قرآن کا حذف [ڈیلٹ DELETE] جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں مندوبین کے دو موقف ہیں:

پہلا موقف: درج بالا آلات سے قرآن کریم کا حذف عام حالات میں ناجائز ہے۔ ہاں! بعض صورتوں میں جائز یا واجب ہے۔

یہ موقف چند علما کا ہے۔ ان کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆اگر اندیشہ ہو کہ میموری کے اندر جو قرآن محفوظ ہے اس کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھ پائیں گے، بلکہ جانے انجانے میں اس کی حرمت پامال ہوگی تو اس مقصد کے تحت درج بالا آلات سے قرآن کا حذف جائز ہے؛ کہ اس میں مقصود قرآن کریم کی بے حرمتی نہیں بلکہ اس کے حرمت کی پاس داری ہے، اور الامور بمقاصدھا کے تحت اسے ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ [مقالہ مولانا قاضی فضل احمد مصباحی]

☆ درج بالا آلات میں قرآن کریم اگر دیگر خرافات کے ساتھ لوڈ کیا گیا ہے تو بے ادبی کے سبب اس کا حذف جائز ہے، ورنہ نہیں۔ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں فرماتے ہیں:

"دیواروں پر کتابت قرآن عظیم میں رجحان جانب ممانعت ہے اور اگر منبر پر کھڑے ہونے میں اس طرف امام کی پیٹھ ہوتی ہے تو ضرور خلاف ادب ہے اور اگر پاؤں یا مجلس سے بلا ساتر نیچے ہیں تو اور زیادہ سوء ادب ہے ان حالتوں میں ان کا سیمنٹ یا چونے کسی پاک چیز سے بند کر دینا حرج نہیں رکھتا بلکہ بہ نیت ادب محمود ہے اور اگر نہ نیچے ہیں نہ پیچھے جب بھی اگر اس قول راجح کے لحاظ سے یا اس لئے کہ محراب میں کوئی شے شاغل نظر نہ ہونی چاہیے بند کرنے میں حرج معلوم نہیں ہوتا۔ فان الامور بمقاصدھا و انما لکل امری مانوی۔

[مقالہ مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی، مدرسہ ضیاء العلوم، خیرآباد]

☆کسی غرض صحیح کی تحصیل کے لیے قرآن کا حذف کیا جائے تو بعض صورتوں میں جائز اور بعض صورتوں میں واجب ہے۔ مثلاً:

*قرآن کا کوئی کلمہ یا اس کی کوئی آیت غلط کمپوز ہو جائے یا نامناسب جگہ پر کمپوز ہو جائے تو اس کا حذف واجب ہے۔

* بدمذہبوں کی تقریروں اور تحریروں کو قرآنی آیات کے ساتھ حذف کر دینا واجب ہے۔ ہاں! اگر کوئی سنی عالم اس پایے کا ہو کہ وہ ان میں مذکور باطل عقائد و نظریات کا دنداں شکن جواب دے سکتا ہو تو وہ ڈیلٹ نہ کرے۔

* سوال نمبر تین میں مذکور مواد کے ساتھ اگر قرآن پاک یا اس کی کچھ سورتیں یا آیتیں لوڈ ہوں تو ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان فحش اور غیر شرعی مواد کو حذف کر دے تاکہ قرآن کی تعظیم اور اس کا ادب واحترام قائم ہو۔ لیکن اگر وہ اپنی خواہشات نفسانی کا اس طرح مغلوب ہو گیا ہے کہ وہ ان ناپسندیدہ مواد کو حذف نہیں کر سکتا تو پھر قرآن کریم یا اس کی سورتوں اور آیتوں کو ہی حذف کر دے تاکہ وہ ان کی بے ادبی کے وبال سے تو بچ جائے۔

* کثرت استعمال یا کسی اور وجہ سے میموری میں محفوظ قرآن پاک قابل استفادہ نہ رہ جائے تو بھی اندرونی میموری سے اس کا حذف کرنا جائز اور میموری کارڈ اور سی ڈی سے اس کا حذف واجب ہوگا تاکہ اس کی بے ادبی نہ ہو۔ علما فرماتے ہیں:

الكتب التي لا ينتفع بها يمحى عنها اسم الله و ملائكته و رسله و يحرق الباقي۔ [مقالہ مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی، ص ۷]

☆عام حالات میں موبائل سے قرآن پاک کا ڈیلٹ کرنا جائز نہیں ہونا چاہیے، فتاویٰ رضویہ میں ہے:

اس کا (مصحف شریف کا) ٹین میں رکھ کر بند کر دینا یا موم جامے یا کپڑے ہی کے غلاف میں سی دینا یہ خود خلاف شرع ہے؛ کہ اس کی تلاوت سے منع ہے، ائمہ سلف تو غلاف مصحف شریف میں بند لگانے کو مکروہ جانتے تھے کہ بند باندھنا بظاہر منع کی صورت ہوگا تو یوں ٹین وغیرہ میں رکھ کر ہمیشہ کے لیے سی دینا کہ حقیقتاً منع ہے کس درجہ مکروہ و مورد شنع ہے۔ [فتاویٰ رضویہ ج ۲، ص ۱۶۱]

ہاں! اگر موبائل قابل استعمال نہ رہ جائے تو اس سے آیات قرآن کا حذف جائز ہونا چاہیے، یوں ہی اگر وہ موبائل جس میں قرآن لوڈ ہو کسی کافر کے ہاتھ فروخت کرنا ہو تو اس سے بھی ڈیلٹ کرنا جائز ہونا چاہیے؛ کیوں کہ کافر کو مصحف شریف دینے سے منع کیا گیا ہے۔

[مقالہ مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی، دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی]

دوسرا موقف: کسی حاجت یا ضرورت کے پیش نظر درج بالا آلات سے قرآن کریم کا حذف جائز ہے۔ یہاں حاجت و ضرورت سے مراد عرفی حاجت و ضرورت ہے، مثلاً کوئی چیز لوڈ کرنی ہے اور اس میں گنجائش نہیں ہے تو قرآن پاک حذف کر کے دوسری جائز چیز لوڈ کی جا سکتی ہے۔

یہ موقف باقی تمام علمائے کرام کا ہے۔ ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وَلَوْ مَحَا لَوْحًا كُتِبَ فِيهِ الْقُرْآنُ وَاسْتَعْمَلَهُ فِي أَمْرِ الدُّنْيَا يَجُوزُ، وَقَدْ وَرَدَ النَّهْيُ عَنْ مَحْوِ اسْمِ اللهِ تَعَالَى بِالْبُزَاقِ، كَذَا فِي الْغَرَائِبِ. [ج ۵، ص ۳۲۲]

☆البحر الرائق میں ہے: مَحَا لَوْحًا يَكْتُبُ فِيهِ الْقُرْآنَ وَاسْتَعْمَلَهُ فِي أَمْرِ الدُّنْيَا يَجُوزُ۔ [مقالات متعدده]

☆قرآن کریم کے ڈیلٹ میں ابتلاے عام ہے، خواص و عوام سبھی اس میں مبتلا ہیں؛اس لیے جواز کا قول ہونا چاہیے۔
[مقالہ مولانا محمد منظر عقیل قادری مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور]

☆اگر حسب ضرورت بھی اجازت حذف نہ ملے تو بہت ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے دیگر منافع حیات و ضروریات اپلوڈ نہ کی جاسکیں، اور یہ باعث حرج ہے۔ یا اس کی وجہ سے قرآن کریم کے ساتھ دیگر محرمات اور لہو ولعب کا اجتماع ہو؛اس لیے حسب ضرورت حذف قرآن جائز ہونا چاہیے۔[مقالہ مولانا خالد ایوب مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور]

چھٹا سوال اور اس کے جوابات

چھٹا سوال ہے: اس ضمن میں یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ جنب اور بے وضو کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا کیسا ہے؟

اس کے جواب میں مندوبین کے موقف چار طرح کے ہیں:

پہلا موقف: جنب یا بے وضو کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا درست نہیں/ممنوع ہے/ناجائز ہے۔

یہ موقف بعض علما کا ہے۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆بے وضو اور جنبی وغیرہ کے لیے جس طرح قرآن پاک کی کتابت ناجائز ہے اسی طرح اس کی کمپوزنگ بھی ممنوع ہونی چاہیے؛اس لیے کہ کمپوزنگ بھی ایک طرح کی کتابت ہے، فرق اتنا ہے کہ آلہ کتابت بدلا ہوا ہے، پہلے قلم اور سیاہی سے کاغذ پر لکھا جاتا تھا اور اب جدید دور میں کی بورڈ کے سہارے کمپیوٹر پر کتابت کی جاتی ہے، وہاں قلم واسطہ تھا یہاں کی بورڈ واسطہ ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”وَيُكْرَهُ لِلْجُنُبِ وَالْحَائِضِ أَنْ يَكْتُبَا الْكِتَابَ الَّذِي فِي بَعْضِ سُطُورِهِ آيَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنْ كَانَا لَا يَقْرَآنِ الْقُرْآنَ . وَالْجُنُبُ لَايَكْتُبُ الْقُرْآنَ وَإِنْ كَانَتِ الصَّحِيفَةُ عَلَى الْأَرْضِ وَلَا يَضَعُ يَدَهُ عَلَيْهَا، وَإِنْ كَانَ مَادُونَ الْآيَةِ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ لَايَكْتُبَ، وَبِهِ أَخَذَ مَشَايِخُ بُخَارَى. هَكَذَا فِي الذَّخِيرَةِ. [الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ج ۱، ص ۳۹]

بہار شریعت میں ہے: جس کو نہانے کی ضرورت ہو اس کو مسجد میں جانا، طواف کرنا، قرآن مجید چھونا اگرچہ اس کا سادہ حاشیہ یا جلد یا چولی چھوئے یا بے چھوئے دیکھ کر یا زبانی پڑھنا یا کسی آیت کا لکھنا یا آیت کا تعویذ لکھنا یا ایسا تعویذ چھونا یا ایسی انگوٹھی چھونا یا پہننا جیسے مقطعات کی انگوٹھی حرام ہے۔[مقالہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی]

☆بے وضو یا حالتِ جنابت میں قرآن حکیم کی کمپوزنگ کرنا ناجائز ہے۔ القلم أحد اللسانین۔[مقالہ مولانا محمود احمد برکاتی]

دوسرا موقف: جنب کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا ناجائز، اور بے وضو کے لیے جائز ہے۔

یہ موقف چند علماے کرام کا ہے۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆جنب کے لیے کمپوزنگ کے عدم جواز کی وہی دلیل ہے جو پہلے موقف والوں کی ہے۔ اور بے وضو کے لیے کمپوزنگ کے جواز کی علت دفع حرج ہے۔ والحرج مدفوع بنص القرآن الکریم۔
[مقالہ مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی، بریلی شریف]

☆جنب کے لیے کمپوزنگ جائز نہیں؛اس لیے کہ اسے کمپوز کے وقت پڑھنا بھی جاتا ہے۔ بے وضو بغیر چھوئے کمپوز کرسکتا ہے۔
[مقالہ مولانا محمد انور نظامی مصباحی، مدرسہ فیض النبی، ہزاری باغ]

☆محدث قرآن کی کتابت کرسکتا ہے یا نہیں، اس سلسلے میں فقہاے کرام کے درمیان شدید اختلاف ہے؛اس لیے اعتدال کا راستہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ بے وضو کے لیے قرآن حکیم کی کمپوزنگ جائز قرار دی جائے؛ کیوں کہ بہ تقاضاے بشری حدث کا تحقق بار بار ہوتا ہے اور بار بار وضو کا پابند بنانے میں حرج ہے۔ دوسرے یہ کہ کمپوزنگ بٹن اور اسکرین کی تختی میں اتنا فاصلہ رہتا ہے کہ کمپوزر کا ہاتھ عین مکتوبت تک نہیں پہنچتا، تو بہ صورت بے وضو قرآن چھونے کو مستلزم نہیں۔ اور جنابت کا تحقق بار بار نہیں ہوتا اور نہ ازالۂ جنابت کا پابند بنانے میں حرج و مشقت ہے؛اس لیے احترام قرآن کو ملحوظ رکھتے ہوئے جنب کو قرآن عظیم کمپوز کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔[تفصیل کے لیے دیکھیں مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی، ص ۸ تا ص ۱۱]

تیسرا موقف: بعض آلات میں جنب اور بے وضو دونوں کے لیے کمپوزنگ جائز ہے اور بعض آلات میں دونوں کے لیے ناجائز ہے۔ یہ موقف مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی، مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

☆کمپیوٹر کے لیے استعمال ہونے والا کی بورڈ کمپیوٹر سے متّصل اور اس کے تابع نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس سے بالکل منفصل اور جدا ہوتا ہے اور لیب ٹاپ کا کی بورڈ اگرچہ اس سے متّصل ہوتا ہے مگر وہ اس کے انٹرنل ہارڈ ڈسک سے متّصل اور اس کے تابع نہیں ہوتا بلکہ اس سے منفصل اور جدا ہوتا ہے؛اس لیے جنب اور بے وضو دونوں کے لیے ان دونوں کی بورڈوں سے قرآن کریم کمپوز کرنا امام ابو یوسف و امام محمد دونوں کے قول پر جائز ہے۔

☆موبائل، آئی فون اور ٹیب لیٹ میں جب اندرونی میموری مین قرآن کریم کو کمپوز کرکے ودیعت کیا جائے تو پوری ایک آیت کمپوز کرتے ہی جنب اور بے وضو کا ان آلات کو چھونا جائز نہیں ہوگا؛اس لیے ان کا ان آلات پر قرآن

کمپوز کرنا جائز نہیں۔ ہاں! اس وقت جائز ہے جب ان آلات اور جنب و بے وضو کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل ہو جو ان سے منفصل اور جدا ہو۔

چوتھا موقف: جنب اور بے وضو دونوں کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا جائز ہے۔ [البتہ غسل و وضو کرکے اور خوشبو وغیرہ لگا کے کمپوز کرے تو ضرور نور علیٰ نور ہے۔]

یہ موقف باقی مقالہ نگار علما کا ہے۔ ان میں بعض نے یہ تاکید کی ہے کہ کمپوزنگ کے وقت اس کا خیال رکھیں کہ نہ ان آیات کا تلفظ کریں اور نہ ہی لکھے ہوئے پر ہاتھ رکھیں۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ جنب اور بے وضو کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا جائز ہے؛ اس لیے کہ: کمپوزنگ ایک ایک حرف کی ہوتی ہے اور وہ قرآن نہیں ہے۔★ کمپوز کرنے میں آیاتِ قرآنیہ پر ہاتھ نہیں پڑتا ہے اور نہ ہی کسی طرح مکتوب کو چھونے کا معاملہ ہوتا ہے۔★ کمپوزر کی انگلی براہ راست کی بورڈ سے مس ہوتی ہے اور کی بورڈ پر محض انگریزی یا کسی اور زبان کے حروف تہجی ہی ہوتے ہیں، اس پر کوئی ایسی چیز نہیں لکھی ہوتی جس کو چھونے کے لیے وضو کی ضرورت ہو۔

☆ جوہرہ نیرہ میں ہے: وَهَلْ يَجُوزُ لِلْجُنُبِ كِتَابَةُ الْقُرْآنِ، قَالَ فِي مُنْيَةِ الْمُصَلِّي لَا يَجُوزُ وَفِي الْخُجَنْدِيِّ يُكْرَهُ لِلْجُنُبِ وَالْحَائِضِ كِتَابَةُ الْقُرْآنِ إذَا كَانَ مُبَاشِرَ اللَّوْحِ وَالْبَيَاضِ وَإِنْ وَضَعَهُمَا عَلَى الْأَرْضِ وَكَتَبَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى الْمَكْتُوبِ لَا بَأْسَ بِهِ. [الجوهرة النيرة]

☆ حاشیۃ الطحاوی علی المراقی میں ہے: وأما كتابة القرآن فلا بأس بها إذا كانت الصحيفة على الأرض عند أبي يوسف لأنه ليس بحامل للصحيفة وكره ذلك محمد وبه أخذ مشايخ بخارى. قال الكمال: وقول أبي يوسف أقيس؛ لأن الصحيفة إذا كانت على الأرض كان مسها بالقلم وهو واسطة منفصلة فصار كثوب منفصل إلا أن يكون يمسه بيده.

☆ بدائع الصنائع میں ہے: وَلَوْ كَانَتِ الصَّحِيفَةُ عَلَى الْأَرْضِ فَأَرَادَ الْجُنُبُ أَنْ يَكْتُبَ الْقُرْآنَ عَلَيْهَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا بَأْسَ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحَامِلٍ لِلصَّحِيفَةِ، وَالْكِتَابَةُ تُوجَدُ حَرْفًا فَحَرْفًا. وَهَذَا لَيْسَ بِقُرْآنٍ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: أَحَبُّ إلَيَّ أَنْ لَا يَكْتُبَ، لِأَنَّ كِتَابَةَ الْحُرُوفِ تَجْرِي مَجْرَى الْقِرَاءَةِ. [بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الطهارة، فصل الغسل]

☆ در مختار میں ہے: (و) لا تكره (كتابة قرآن والصحيفة أو اللوح على الأرض عند الثاني) خلافا لمحمد، وينبغي أن يقال: إن وضع على الصحيفة ما يحول بينها وبين يده يؤخذ بقول الثاني وإلا فبقول الثالث. قاله الحلبي.

☆ اس کے تحت رد المحتار میں ہے: (قَوْلُهُ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) حَيْثُ قَالَ أَحَبُّ إلَيَّ أَنْ لَا يَكْتُبَ، لِأَنَّهُ فِي حُكْمِ الْمَاسِّ لِلْقُرْآنِ حِلْيَةٌ عَنْ الْمُحِيطِ. قَالَ فِي الْفَتْحِ: وَالْأَوَّلُ أَقْيَسُ، لِأَنَّهُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ مَاسٌّ بِالْقَلَمِ وَهُوَ وَاسِطَةٌ مُنْفَصِلَةٌ فَكَانَ كَثَوْبٍ مُنْفَصِلٍ إلَّا أَنْ يَمَسَّهُ بِيَدِهِ.

(قَوْلُهُ: وَيَنْبَغِي إلَخْ) يُؤْخَذُ هَذَا مِمَّا ذَكَرْنَاهُ عَنْ الْفَتْحِ، وَوَفَّقَ بَيْنَ الْقَوْلَيْنِ بِمَا يَرْفَعُ الْخِلَافَ مِنْ أَصْلِهِ بِحَمْلِ قَوْلِ الثَّانِي عَلَى الْكَرَاهَةِ التَّحْرِيمِيَّةِ، وَقَوْلِ الثَّالِثِ عَلَى التَّنْزِيهِيَّةِ بِدَلِيلِ قَوْلِهِ أَحَبُّ إلَيَّ إلَخْ.

(قَوْلُهُ: عَلَى الصَّحِيفَةِ) قَيَّدَ بِهَا، لِأَنَّ نَحْوَ اللَّوْحِ لَا يُعْطَى حُكْمَ الصَّحِيفَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَحْرُمُ إلَّا مَسُّ الْمَكْتُوبِ مِنْهُ. [کتاب الطہارۃ، ج ۱، ص ۲۸۴]

یہ ہے جدید ایجادات سے متعلق ۳۳ر مقالات و آرا کا خلاصہ۔ اب اس کی روشنی میں درج ذیل سوالات تنقیح طلب معلوم ہوتے ہیں۔

تنقیح طلب امور

(۱) موبائل، سی ڈی، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، ٹیب لیٹ، آئی فون وغیرہ میں قرآن پاک کے نقوش اعداد وغیرہ کسی بھی شکل میں محفوظ ہوں تو وہ حقیقت میں قرآن ہیں یا انھیں مایکون کے اعتبار سے مجازاً قرآن کہا جاتا ہے؟

(۲) میموری کارڈ، سی ڈی، ڈی وی ڈی یا کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک وغیرہ میں قرآن پاک محفوظ ہو تو اس صورت میں ان آلات کو بلا حائل، بے وضو چھونا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) قرآن پاک کمپیوٹر یا موبائل وغیرہ جدید آلات کی اسکرین پر شکلِ مرسوم میں نمایاں ہو تو اس صورت میں خود ان آلات یا ان کی اسکرین کو بلا حائل، بے وضو چھونا جائز ہے، یا ناجائز، یا ان آلات کے لحاظ سے حکم میں فرق ہوگا؟

(۴) ان جدید آلات کی میموری میں غزلیات فلمی گانے، لطائف طنز و مزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک یا اس کی بعض سورتوں کی تحمیل جائز ہے، یا خلافِ ادب ہونے کی وجہ سے ممنوع و ناجائز ہے؟

(۵) ان جدید آلات میں قرآن پاک لوڈ ہو تو کن صورتوں میں اس کا حذف جائز ہے اور کن صورتوں میں واجب ہے؟

(۶) جنب اور بے وضو کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا کیسا ہے؟ [دونوں کے لیے جائز ہے، یا دونوں کے لیے ناجائز ہے، یا بے وضو کے لیے جائز اور جنب کے لیے ناجائز، یا آلات کے لحاظ سے ان کے احکام میں کچھ فرق ہے؟]

جدید ایجادات میں قرآن کریم بھرنے اور اسے چھونے وغیرہ کے احکام

مولانا ساجد علی مصباحی

مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے اربابِ حل وعقد نے اکیسویں فقہی سیمینار میں تحقیق ومذاکرہ کے لیے جن پانچ موضوعات کا انتخاب کیا، ان میں دوسرا موضوع ہے "جدید ایجادات میں قرآن کریم بھرنے اور اسے چھونے وغیرہ کے احکام"۔ اس موضوع سے متعلق سراج الفقہاء حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی، ناظم مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے سوال نامہ مرتب فرمایا اور کمپیوٹر کے طریقۂ کار، وجود شے کے مراتب اور قرآن کریم کے حقیقی مواطن وجود اور تحقیقی مجالی شہود پر روشنی ڈالتے ہوئے مسئلہ دائرہ کی تحقیق وتشریح اور صحیح حکم شرع کی دریافت کے لیے ہندوستان کے مختلف اضلاع اور ریاستوں میں تدریس وتبلیغ اور تحقیق وافتا کا فریضہ انجام دینے والے علمائے کرام ومفتیانِ عظام کی خدمت میں چھ سوالات پیش کیے:

ان سوالات کے تعلق سے ۳۳ علمائے کرام ومفتیان عظام نے اپنے بیش قیمت تحقیقی مقالات اور گراں قدر آرا ارسال فرماکر مجلس شرعی کا دینی وعلمی تعاون کیا۔ [اللہ جل شانہ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے] یہ مقالات وآرا فل سکیپ سائز کے ۱۶۰ر صفحات پر مشتمل ہیں۔ خلاصہ پیش خدمت ہے۔

پہلا سوال اور اس کے جوابات

پہلا سوال ہے: موبائل، سی ڈی، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، ٹیب لیٹ، آئی فون وغیرہ میں قرآن پاک کے نقوش اعداد وغیرہ کسی بھی شکل میں محفوظ ہوں تو وہ کلام الٰہی ہیں یا نہیں؟

اس کے جواب میں علمائے کرام کے نظریات دو قسم کے ہیں:

پہلا نظریہ: موبائل، سی ڈی، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، ٹیب لیٹ، آئی فون وغیرہ میں قرآن پاک جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہوتا ہے وہ حقیقت میں کلام الٰہی یعنی قرآن کریم نہیں ہوتا ہے، عرف میں اسے مجازاً کلام الٰہی یعنی قرآن کہا جاتا ہے۔ یہ نظریہ بعض علمائے کرام کا ہے۔ ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

☆ قرآن کریم خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے، چنانچہ خدائے وحدہ لاشریک کا ارشاد ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢﴾ [یوسف ۱۲، آیت ۲]

بیشک ہم نے اسے عربی قرآن اتارا کہ تم سمجھو۔ [کنزالایمان]

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا [الشوریٰ ۴۲، آیت ۷]

اور یونہی ہم نے تمھاری طرف عربی قرآن وحی بھیجا۔ [کنزالایمان]

قُرْءَانًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِى عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾ [الزمر ۳۹، آیت ۲۸]

عربی زبان کا قرآن جس میں اصلاً کجی نہیں کہ کہیں وہ ڈریں [ایضاً]

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: أحبوا العرب لثلاث: لأني عربي والقرآن عربي وكلام أهل الجنة عربي۔

[المستدرك على الصحيحين، فضل كافة العرب، حديث ۶۹۹۹]

اور کمپیوٹر میں جو کچھ محفوظ ہوتا ہے وہ عربی خط یا عربی زبان میں نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ انسانوں کی فہم سے بالاتر خالص کمپیوٹر کی زبان میں ہوتا ہے، جیسا کہ کمپیوٹر کے طریقۂ کار سے ظاہر ہے اور سوال نامہ میں اس کی صراحت بھی ہے۔

☆ نظم قرآن معجز ہے اور ماہیت قرآن کا جزہے، اور کل کا وجود بغیر جز کے نہیں ہو سکتا؛ لہٰذا جدید آلات میں محفوظ نقوش کو حقیقت کے اعتبار سے قرآن نہیں کہا جا سکتا۔ غرائب القرآن میں علامہ نیشاپوری ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"قالوا: وَإِنَّهُۥ لَفِى زُبُرِ ٱلْأَوَّلِينَ [الشعراء ۲۶، آیت ۱۹۶] إِنَّ هٰذا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ [الاعلیٰ ۸۷، آیت ۱۹،۱۸] ولاريب أن القرآن بهذا اللفظ ما كان في زبر الأولين لكن بالعِبْرِيَّة والسريانية. قلنا: إن القصص والمواعظ موجودة لا باللفظ بل بالمعنى، ولا يلزم من ذلك أن يكون الموجود فيها قرآناً، فإن النظم المعجز جزء من ماهية القرآن والكل بدون الجزء مستحيل"۔

[غرائب القرآن ورغائب الفرقان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج۱، ص۹۱]

☆ عجمی زبان میں ترجمہ کو قرآن کہنا مجازاً ہوتا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وَهُوَ اسْمٌ لِلْمُنَزَّلِ بِاللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ الْمَنْظُومِ هٰذَا النَّظْمِ الْخَاصِ، الْمَكْتُوبِ فِي الْمَصَاحِفِ، الْمَنْقُولِ إِلَيْنَا نَقْلًا مُتَوَاتِرًا. وَالْأَعْجَمِيُّ إِنَّمَا يُسَمَّى قُرْآنًا مَجَازًا، وَلِذَا يَصِحُّ نَفْيُ اسْمِ الْقُرْآنِ عَنْهُ، فَلِقُوَّةِ دَلِيلِ قَوْلِهِمَا رَجَعَ إِلَيْهِ. [رد المحتار]

☆ قرآن پاک کے لیے نظم عربی رکن لازم ہے، جہاں نظم عربی کا فقدان ہوگا وہاں حقیقت کے لحاظ قرآن کا اطلاق نہیں ہوگا، اور اگر اسے

عرف میں قرآن کہا بھی جائے تو وہ مجازا ہوگا۔ چنانچہ اصولِ فقہ کی مشہور ومعروف کتاب ” الحسامی “ میں ہے:

”أما الکتاب فالقرآن المنزل علی الرسول علیه السلام، المکتوب في المصاحف، المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبهة، وهو اسم للنظم والمعنی جمیعا في قول عامة العلماء، وهو الصحیح من مذهب أبي حنیفة رضي اللّٰه عنه، إلا أنه لم یجعل النظم رکنا لازما في حق جواز الصلاة خاصة“. [الحسامي مع شرحه النامي، ص٦، ٥، مجلس برکات]

☆اس کی شرح ” النامی “ میں ہے: ”إلا أنه أي لکن أبا حنیفة رحمه اللّٰه لم یجعل النظم رکنا لازما في حق جواز الصلاة خاصة، و أما في غیر جواز الصلاة فالنظم رکن لازم کالمعنی حتی یجوز للجنب و الحائض قراءة آیة من القرآن بالفارسیة؛ لأنه لیس بقرآن لعدم النظم... وقد صح رجوع أبي حنیفة رحمه اللّٰه إلی أقوال العامة في حق جواز الصلاة أیضا کما رواه نوح بن أبي مریم“. [الحسامي مع شرحه النامي]

☆فتاویٰ رضویہ میں ہے:

ترجمہ بھی اصل سا ں ہے وجہِ سجدہ بالیقین
فرق یہ ہے فہمِ معنیٰ اِس میں شرط، اُس میں نہیں
آیتِ سجدہ سنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا
اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہوگیا
ترجمہ میں اُس زبان کا جاننا بھی چاہیے
نظم و معنیٰ دو ہیں، ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ مِنْ وَجْہٍ تو صادق ہو سنا قرآن کو
ورنہ اک موجِ ہوا تھی چھوگئی جو کان کو

[فتاویٰ رضویہ، ج۳، ص۶۵۵، ۶۵۴، رضا اکیڈمی، ممبئی]

اس بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ترجمہ کی زبان جاننے کی صورت میں اسے من وجہ قرآن کہا جائے گا؛ کیوں کہ یہاں نظم عربی کا فقدان ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو کمپیوٹر وغیرہ کی میموری میں جو کچھ محفوظ ہوتا ہے اس پر قرآن کا اطلاق مجازاہی ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ اس میں ایک کلمہ بھی عربی زبان میں نہیں رہتا۔

ایک شبہہ کا ازالہ: اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ” جو قرآن اللہ جل شانہ کی صفتِ قدیمہ ہے وہی ہماری زبانوں سے متلو، ہمارے کانوں سے مسموع، ہمارے اوراق میں مکتوب، ہمارے سینوں میں محفوظ ہے... اور پُر ظاہر کہ اس بارے سب کسوتیں یکساں ہیں “ لاریب ایسا ہی ہے، لیکن ان مثالوں میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر جگہ اسی نظم عربی کی جلوہ سامانیاں ہیں جس کا ذکرِ جمیل قرآن پاک اور حدیث مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں ہے۔ ہم جو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں وہ نظم عربی ہے، اسی طرح جو سنتے، لکھتے یا محفوظ کرتے ہیں وہ بھی نظم عربی ہی ہے۔ یوں ہی فونو میں جو محفوظ ہوتا تھا وہ بھی نظم عربی ہی ہوتا تھا؛ کیوں کہ قراءت کے وقت جو اشکال حرفیہ ہوائے دہن میں بنتی تھیں وہی اس فونو میں مرتسم ہوتی تھیں، چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

” اس آلہ یعنی پلیٹوں پر ارتسام اشکال معلوم و مشاہد ہے، ولہذا چھیل دینے سے وہ الفاظ زائل ہوجاتے ہیں جس طرح کاغذ سے خط کے نقش چھل جاتے ہیں، اور ان سے خالی کرکے دوسرے الفاظ بھر سکتے ہیں جس طرح لکھی ہوئی تختی دھوکر دوبارہ لکھ سکتے ہیں “... ”جس طرح کاغذ کی رقوم میں وہی قرآن کریم مرقوم ہے اسی طرح فونو میں جب کسی قاری کی قراءت بھری گئی اور اشکال حرفیہ کہ ہوائے دہن، پھر ہوائے مجاور میں بنی تھیں اس آلہ میں مرتسم ہوئیں ان میں وہی کلام عظیم مرسوم ہے، اور جس طرح زبان قاری سے جو ادا ہوا قرآن ہی تھا یوں ہی اب جو اس آلہ سے ادا ہوگا قرآن ہی ہوگا “۔ [فتاویٰ رضویہ جلد ۹، نصف آخر، رضا اکیڈمی] [مقالہ راقم السطور ساجد علی مصباحی]

دوسرا نظریہ: موبائل، سی ڈی، کمپیوٹر، لیب ٹاپ، ٹیب لیٹ آئی فون وغیرہ میں قرآن پاک کے نقوش اعداد وغیرہ کسی بھی شکل میں محفوظ ہوں وہ کلام الٰہی یعنی قرآن پاک ہیں۔

یہ نظریہ باقی تمام مقالہ نگار علمائے کرام کا ہے۔ ان حضرات کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆کلام الٰہی ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ صرف اپنی مخصوص رسم وزبان میں محفوظ و مرقوم ہو، بلکہ اس کے علاوہ فارسی، ہندی، انگریزی و دیگر کسی بھی زبان و رسم میں قرآن کریم محفوظ و مرسوم ہو تو اسے بھی کلام الٰہی کہا جائے گا۔ کمپیوٹر، لیب ٹاپ وغیرہ جدید ایجادات کی بھی ایک مخصوص زبان ہے جس میں وہ قرآن کریم کو محفوظ کرلیا کرتے ہیں تو جس طرح فارسی، ہندی وغیرہ دوسری زبانوں میں محفوظ کلام اللہ کلام الٰہی ہے اسی طرح آلاتِ مذکورہ میں مخصوص زبان میں محفوظ قرآن کریم کلام الٰہی ہوگا۔

☆ کاغذ وغیرہ میں لکھا ہوا قرآن کریم کلام الٰہی ہے تو کمپیوٹر وغیرہ میں لکھا ہوا قرآن کریم کلام الٰہی کیوں نہیں ہوگا، یہ اور بات ہے کہ ان جدید آلات میں کتابت کا جدید طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ [مقالہ مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی، جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف]

☆شرح عقائد میں ہے: (وهو) أي: القرآن الذي هو کلام اللّٰه تعالی (مکتوب في مصاحفنا) أي بأشکال الکتابة وصور الحروف الدالّة علیه (محفوظ في قلوبنا) أي بالألفاظ المخیّلة (مقروء بألسنتنا) بحروفه الملفوظة المسموعة (مسموع بآذاننا) بتلک أیضاً (غیر حالّ فیها) أي مع ذلک لیس حالاً في المصاحف ولا في القلوب ولا في الألسنة ولا في الآذان، بل هو معنی قدیم قائم بذات اللّٰه تعالی، یلفظ ویسمع بالنظم الدالّ علیه، ویحفظ بالنظم المخیّل

ویکتب بنقوش وأشکال موضوعة للحروف الدالة علیه"...وتحقیقه أنّ للشيء وجوداًفي الأعیان ووجوداًفي الأذهان ووجوداًفي العبارة ووجوداًفي الکتابة، فالکتابة تدلّ علی العبارة وهي علی مافي الأذهان وهوعلی مافي الأعیان".

[شرح عقائد، ص ۴۷]

اس عبارت سے ثابت ہے کہ موبائل فون، سی ڈی، لیپ ٹاپ وغیرہ میں قرآن کریم اصوات، اشکال کتابت، صور حروف، الفاظ مخیلہ اور الفاظ مسموعہ خواہ کسی شکل میں ہو وہ کلام الٰہی ہے۔ [مقالہ مولانا معین الدین مصباحی، فیض آباد/ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی/مفتی ابرار احمد امجدی، اوجھاگنج]

☆بدائع الصنائع میں ہے: (وَأَمَّا) قَوْلُهُمْ: إنَّ الْقُرْآنَ هُوَ الْمُنَزَّلُ بِلُغَةِ الْعَرَبِ- (فَالْجَوَابُ) عَنْهُ مِنْ وَجْهَيْنِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّ كَوْنَ الْعَرَبِيَّةِ قُرْآنًا لَا يَنْفِي أَنْ يَكُونَ غَيْرُهَا قُرْآنًا، وَلَيْسَ فِي الْآيَةِ نَفْيُهُ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْعَرَبِيَّةَ سُمِّيَتْ قُرْآنًا لِكَوْنِهَا دَلِيلًا عَلَى مَا هُوَ الْقُرْآنُ، وَهِيَ الصِّفَةُ الَّتِي هِيَ حَقِيقَةُ الْكَلَامِ، وَلِهَذَا قُلْنَا: إنَّ الْقُرْآنَ غَيْرُ مَخْلُوقٍ عَلَى إرَادَةِ تِلْكَ الصِّفَةِ دُونَ الْعِبَارَاتِ الْعَرَبِيَّةِ، وَمَعْنَى الدَّلَالَةِ يُوجَدُ فِي الْفَارِسِيَّةِ فَجَازَ تَسْمِيَتُهَا قُرْآنًا، دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ - تَعَالَى -: {وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا} أَخْبَرَ أَنَّهُ لَوْ عَبَّرَ عَنْهُ بِلِسَانِ الْعَجَمِ كَانَ قُرْآنًا.

وَالثَّانِي: إنْ كَانَ لَا يُسَمَّى غَيْرُ الْعَرَبِيَّةِ قُرْآنًا، لَكِنَّ قِرَاءَةَ الْعَرَبِيَّةِ مَا وَجَبَتْ؛ لِأَنَّهَا تُسَمَّى قُرْآنًا بَلْ لِكَوْنِهَا دَلِيلًا عَلَى مَا هُوَ الْقُرْآنُ الَّذِي هُوَ صِفَةٌ قَائِمَةٌ بِاللَّهِ، بِدَلِيلِ أَنَّهُ لَوْ قَرَأَ عَرَبِيَّةً لَا يَتَأَدَّى بِهَا كَلَامُ اللَّهِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ، فَضْلًا مِنْ أَنْ تَكُونَ قُرْآنًا وَاجِبًا، وَمَعْنَى الدَّلَالَةِ لَا يَخْتَلِفُ، فَلَا يَخْتَلِفُ الْحُكْمُ الْمُتَعَلِّقُ بِهِ، وَالدَّلِيلُ عَلَى أَنَّ عِنْدَهُمَا تُفْتَرَضُ الْقِرَاءَةُ بِالْفَارِسِيَّةِ عَلَى غَيْرِ الْقَادِرِ عَلَى الْعَرَبِيَّةِ، وَعُذْرُهُمَا غَيْرُ مُسْتَقِيمٍ؛ لِأَنَّ الْوُجُوبَ مُتَعَلِّقٌ بِالْقُرْآنِ وَإِنَّهُ قُرْآنٌ عِنْدَهُمَا بِاعْتِبَارِ اللَّفْظِ دُونَ الْمَعْنَى، فَإِذَا زَالَ اللَّفْظُ لَمْ يَكُنْ الْمَعْنَى قُرْآنًا فَلَا مَعْنَى لِلْإِيجَابِ، وَمَعَ ذَلِكَ وَجَبَ، فَدَلَّ أَنَّ الصَّحِيحَ مَا ذَهَبَ إلَيْهِ أَبُو حَنِيفَةَ؛ وَلِأَنَّ غَيْرَ الْعَرَبِيَّةِ إذَا لَمْ يَكُنْ قُرْآنًا لَمْ يَكُنْ مِنْ كَلَامِ اللَّهِ - تَعَالَى - فَصَارَ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ وَهُوَ يُفْسِدُ الصَّلَاةَ، وَالْقَوْلُ بِتَعَلُّقِ الْوُجُوبِ بِمَا هُوَ مُفْسِدٌ غَيْرُ سَدِيدٍ.

[مقالہ مفتی محمد شہاب الدین اشرفی، جامع اشرف، کچھوچھہ شریف]

☆آلات جدیدہ میں قرآن حکیم کے نقوش جو برقی لہروں کے طور پر محفوظ ہوں وہ کلام الٰہی ہی ہیں، اس کی مثال قلب حافظ میں محفوظ ہونے والے قرآن حکیم کی ہے جو غیر مرتب حروف مخیلہ کی شکل میں حافظ کے سینے میں محفوظ ہوتا ہے۔ شرح عقائد میں ہے:

" بل المعنی أنّ اللفظ القائم بالنفس لیس مرتّب الأجزاء في نفسه کالقائم بنفس الحافظ من غیر ترتُّب الأجزاء، وتقدُّم البعض علی البعض، والترتب إنما یحصل في التلفظ والقراءة لعدم مساعدة الآلة، وهذا معنی قولهم: المقرو قدیم والقراءة حادثة، وأما القائم بذات الله تعالی فلا ترتب فیه، حتی أنّ من سمع کلامه تعالی سمعه غیرَ مرتّب الأجزاء لعدم احتیاجه إلی الآلة."

[مقالہ مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی، ص ۱]

☆علامہ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

" فعند أهل الحق کلامه لیس من جنس الأصوات والحروف بل صفة أزلیة قائمة بذات الله تعالی منافیة للسکوت والآفة کما في الخَرَس والطُفولیة، هو بها آمر، ناه، مخبر، یدل علیها بالعبارة أو الکتابة أو الإشارة فإذا عبر عنها بالعربیة فقرآن وبالیونانیة فإنجیل و بالعبرانیة فتوزة وبالسریانیة فزبور فالاختلاف في العبارات دون المسمی کما إذا ذُکر الله تعالی بألسنة متعددة ولغات مختلفة".

شرح مقاصد کی عبارت " یدل علیها بالعبارة أو الکتابة أو الإشارة" سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر رموز واشارات کی شکل میں بھی قرآن پاک ہو تو وہ بھی قرآن ہی کے حکم میں ہوگا۔

☆اگر مان بھی لیا جائے کہ میموری کے اندر 1,0 کے نقوش وخطوط ہی محفوظ ہیں جن کو کنورٹ کرکے کمپیوٹر الفاظ کی شکل میں پیش کرتا ہے، تو بھی ہم کہیں گے کہ یہ قرآن ہے؛ اس لیے کہ قرآن کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مضمر ہو، دوسری یہ کہ مظہر ہو۔ میموری میں محفوظ اعداد اگرچہ اعداد ہیں لیکن ان میں قرآن کریم مضمر ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: کافر کو اگر تعویذ دیا جائے تو مضمر جس میں ہندسے ہوتے ہیں، نہ کہ مظہر جس میں کلام الٰہی واسمائے الٰہی کے حروف ہوتے ہیں۔ [مقالہ مولانا محمد ناصر حسین مصباحی]

☆انوار المنان فی توحید القرآن میں ہے:

"فالکلام الإلهي صفة واحدة قائمة بذاته تعالی تختلف تعیناته بالمحالّ وهي في حد ذاتها قدیمة فإذا نزل علی لسان جبریل کساها تعینات بها صارت مرتبة فإذا قرأ جبریل غیر قارة فسمعه الرسول فانحفظت في صدره کما سمع مرتبة لکن علی صفة القرار فالحقیقة واحدة وظهوراتها مختلفة فطوراً تظهر بکسوة و أخری بأخری، وظهور شيء واحد بتعینات شتی غیر منکر".

[مقالہ مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی]

☆ان عبارتوں کے علاوہ " الکشف شافیا حکم فونو جرافیا" کی وہ عبارتیں بھی پیش کی گئی ہیں جو سوال نامہ میں مذکور ہیں یا " انوار المنان في توحید القرآن " سے ان کا عربی ترجمہ، یا ان سے ملتی جلتی دوسری عبارتیں نقل کی گئی ہیں، چوں کہ وہ مضمون سوال نامہ میں موجود ہے؛ اس لیے ہم نے اسے یہاں ترک کردیا ہے۔

دوسرا سوال اور اس کے جوابات

دوسرا سوال ہے: اس کو بلا حائل، بے وضو چھونے کا کیا حکم ہے، خواہ وہ اسکرین پر شکل مرسوم میں نمایاں ہو یا اندر کہیں کسی بھی شکل میں مخفی وموجود ہو؟

اس سوال کے دو جز ہیں:

(الف) قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں اگر وہ اسکرین پر شکل مرسوم (یعنی قرآن پاک کی معروف شکل) میں نمایاں ہوں تو ان کے چھونے کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں مندوبین کے تین نظریات ہیں۔

پہلا نظریہ: پرانے قسم کے کمپیوٹر میں اگر قرآن پاک اسکرین پر شکلِ مرسوم میں نمایاں ہو تو اس کے چھونے میں حرج نہیں، اور نئے قسم کے کمپیوٹر میں بے وضو چھونا ناجائز ہے۔ یہ نظریہ مولانا قاضی فضل احمد مصباحی، مدرسہ ضیاء العلوم، بنارس کا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"اسکرین پر شکل مرسوم میں نمایاں ہو تو چوں کہ کمپیوٹر اور موبائل وغیرہ میں کئی زجاجی غلاف ہوتے ہیں، باہر والا شیشہ اسکرین سے منفصل ہوتا ہے؛ اس لیے بیرونی حصہ کو چھونے میں حرج نہیں کہ وہ اسکرین سے الگ اور جدا ہے، تاہم تقاضۂ احتیاط یہی ہے کہ اسے بھی بلا وضو ہاتھ لگانے سے اجتناب کرے۔ یہ صورت پرانے قسم کے کمپیوٹروں کی ہے۔ نئے قسم کے کمپیوٹر، لیب ٹاپ وغیرہ میں زجاجی رنگ کا غلاف اسکرین سے بالکل متصل اور چپکا ہوا ہوتا ہے اور اسکرین کے عمل میں دخیل بھی ہے؛ لہٰذا ان کا بے وضو چھونا جائز نہیں"۔

دوسرا نظریہ: قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں اگر اسکرین پر شکل مرسوم میں نمایاں ہوں تو اسکرین کا بلا حائل بے وضو چھونا جائز ہے، لیکن بچنا بہتر ہے۔

یہ نظریہ چند علماے کا ہے۔ ان کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆ قرآن کریم کے اوپر غلاف یا جزدان ہو تو اسے بے وضو چھونا جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

"لا يجوز للجنب والمحدث مس المصحف (إلا بغلافه المنفصل) أي كالجراب والخريطة دون المتصل كالجلد المشرز هو الصحيح، وعليه الفتوى؛ لأن الجلد تبع له". [مقالہ مولانا محمد ناصر حسین مصباحی]

☆ اور غلاف کے تعلق سے عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: (وَغِلَافُهُ مَا كَانَ مُتَجَافِيًا عَنْهُ) أَيْ مُتَبَاعِدًا بِأَنْ يَكُونَ شَيْئًا ثَالِثًا بَيْنَ الْمَاسِّ وَالْمَمْسُوسِ، وَلَا يَكُونُ مُتَّصِلًا بِهِ كَالْجِلْدِ الْمُشَرَّزِ فَيَنْبَغِي أَلَّا يَكُونَ تَابِعًا لِلْمَاسِّ كَالْكُمِّ وَلَا لِلْمَمْسُوسِ كَالْجِلْدِ الْمُشَرَّزِ. قَالَ صَاحِبُ التُّحْفَةِ: اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِي الْغِلَافِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ الْجِلْدُ الَّذِي عَلَيْهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ الْكُمُّ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ الْخَرِيطَةُ، وَهُوَ الصَّحِيحُ؛ لِأَنَّ الْجِلْدَ تَبَعٌ لِلْمُصْحَفِ وَالْكُمَّ تَبَعٌ لِلْحَامِلِ وَالْخَرِيطَةُ لَيْسَتْ بِتَبَعٍ لِأَحَدِهِمَا. [العناية شرح الهداية، باب الحيض والاستحاضة]

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلاف یا جزدان سے مراد ہر وہ چیز ہے جو ماس (چھونے والے) و ممسوس (جسے چھوا جائے) کے درمیان حائل ہو اور دونوں میں سے کسی کے تابع نہ ہو، اب اس روشنی میں جب ہم کمپیوٹر وغیرہ کی اسکرین کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شیشہ بھی ماس و ممسوس کے درمیان حائل ہوتا ہے اور دونوں میں سے کسی کے تابع بھی نہیں ہوتا، ماس کے تابع نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے، اور ممسوس کے تابع اس لیے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ مواد جو ہمیں نظر آتے ہیں وہ شیشہ کی کسی حرکت کے بغیر ادھر اُدھر منتقل ہوتے رہتے ہیں، اور ان میں حذف واضافہ، یا خود انھیں وہاں لانا یا وہاں سے ہٹانا اسکرین کی کسی حرکت کے بغیر عام بات ہے، اس کا حال ایسا ہی لگتا ہے جیسا کہ شیشہ کی الماری میں کچھ کتابیں رکھ دی جائیں تاکہ وہ باہر سے دکھائی دیں اور ضرورت پڑنے پر وہاں سے نکال لی جائیں، تو جیسے یہاں الماری کتابوں کے تابع نہیں اسی طرح کمپیوٹر اسکرین بھی ان مواد کے تابع نہیں جو اس پر نظر آتے ہیں؛ لہٰذا قرآن پاک اس پر نظر آنے کی صورت میں بھی اسے چھونے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن چوں کہ کلمات صاف نظر آتے ہیں جس سے شبہہ ہوتا ہے کہ عین مکتوب کو چھو رہا ہے؛ اس لیے احتیاط بہتر ہے۔ [مقالہ ساجد علی مصباحی]

تیسرا نظریہ: قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں اگر وہ اسکرین پر شکل مرسوم میں نمایاں ہوں تو بلا حائل بے وضو ان کا چھونا جائز نہیں ہے۔ یہ نظریہ باقی تمام مقالہ نگار علماے کرام کا ہے۔ ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ قرآن کریم میں ہے: لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ [الواقعہ ۵۶، آیت ۷۹] اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

☆ در مختار اور ردالمحتار میں ہے: (و) يحرم (به) أي بالأكبر (وبالأصغر) مس مصحف أي ما فيه آية كدرهم وجدار. قوله (أي ما فيه آية الخ) أي المراد مطلق ما كتب فيه قرآن مجازا من إطلاق اسم الكل على الجزء أو من باب الإطلاق والتقييد. قال: لكن لا يحرم في غير المصحف إلا بالمكتوب أي موضع الكتابة". [مقالہ مفتی ابرار احمد امجدی، مرکز تربیت افتا، اوجھاگنج/ مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی، مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد]

☆ بہار شریعت حصہ دوم میں ہے: رُوپیہ پر آیت لکھی ہو تو ان سب کو (یعنی بے وُضو اور جنب اور حَیض ونِفاس والی کو) اس کا چھونا حرام ہے۔ ہاں اگر تھیلی میں ہو تو تھیلی اٹھانا جائز ہے۔ یوہیں جس برتن یا گلاس پر سورہ یا آیت لکھی ہو اس کا چھونا بھی ان کو حرام ہے اور اس کا استعمال سب کو مکروہ مگر جب کہ خاص بہ نیت شفا ہو۔ مسئلہ: قرآن کا ترجمہ فارسی یا اردو یا کسی اور زبان میں ہو اس کے بھی چھونے اور پڑھنے میں قرآنِ مجید ہی کا سا حکم ہے۔ [مقالہ مولانا عبد الغفار اعظمی]

☆ اسکرین پر قرآن کریم کی سورت یا آیت نمایاں ہو تو خاص اس اسکرین و حاشیۂ اسکرین کو بلا حائل بے وضو چھونا حرام ہے، اور موبائل، لیب ٹاپ، کمپیوٹر وغیرہ کی باڈی کا جو حصہ اس اسکرین سے متصل بہ اتصال قرار ہے، اس کا چھونا بھی ناجائز ہوگا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

"وَلَا مَسُّ الْمُصْحَفِ مِنْ غَيْرِ غِلَافٍ عِنْدَنَا... وَقَالَ بَعْضُ مَشَايِخِنَا

: إِنَّمَا يُكْرَهُ لَهُ مَسُّ الْمَوْضِعِ الْمَكْتُوبِ دُونَ الْحَوَاشِي ، لِأَنَّهُ لَمْ يَمَسَّ الْقُرْآنَ حَقِيقَةً ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُكْرَهُ مَسُّ كُلِّهِ ، لِأَنَّ الْحَوَاشِيَ تَابِعَةٌ لِلْمَكْتُوبِ فَكَانَ مَسُّهَا مَسًّا لِلْمَكْتُوبِ".

مشائخ کے راجح قول کے مطابق متّصل بہ اتصال قرار جلد یا باڈی کا متّصل حصہ غلاف منفصل کے حکم میں نہیں ہے، مگر فقیر کا رجحان ہے کہ خاص اس مسئلے میں تاثیم امت سے بچنے کے لیے مشائخ کے اس قول پر حکم دیا جائے جس کے مطابق غلاف نام ہے "الجلد المتصل بالمصحف" کا؛ کیوں کہ عام طور پر لوگ مونیٹر [MONITER] کے اس حصے کو بھی چھوتے ہیں جس کی حیثیت حاشیہ کی ہے یا متّصل بہ اتصال قرار کی۔

[مقالہ مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، گھوسی]

❋ اس نظریہ کے حامل مقالہ نگاروں میں بعض حضرات نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ صرف ان نقوش کو بلا وضو چھونا منع ہے، باقی کمپیوٹر اور موبائل کے دیگر حصوں کو چھونا جائز ہے۔ **ان کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:**

☆ اگر قرآنی آیات کے حروف و کلمات بشکل مکتوب اسکرین کی تختی پر نمایاں ہوں تو قرآن عظیم کے عینِ حروف خطیہ کو چھونے کے لیے طہارت ضروری ہے۔ باقی اسکرین کے خالی حصے، سطروں کے درمیان کا سادہ حصہ اور اسکرین کے حاشیہ کو بے وضو چھونے میں کوئی حرج نہیں؛ کہ مصحف کے علاوہ لوح و قرطاس، درہم و دینار، در و دیوار، یا کسی اور شے پر قرآن کی آیت لکھی ہو تو عینِ مکتوب کو چھونے کے لیے طہارت ضروری ہے، رہے بیاض و حواشی اور دیگر خالی مقامات تو انھیں بے وضو بھی چھوا جا سکتا ہے۔ البحر الرائق میں ہے:

لٰكِنْ لَا يَجُوزُ مَسُّ الْمُصْحَفِ كُلِّهِ الْمَكْتُوبِ وَغَيْرِهِ بِخِلَافِ غَيْرِهِ فإنه لَا يُمْنَعُ إِلَّا مَسُّ الْمَكْتُوبِ، كَذَا ذَكَرَهُ في السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ مع أَنَّ في الْأَوَّلِ اخْتِلَافًا فقال في غَايَةِ الْبَيَانِ :وقال بَعْضُ مَشَايِخِنَا: الْمُعْتَبَرُ حَقِيقَةُ الْمَكْتُوبِ حتى إِنْ مَسَّ الْجِلْدَ وَمَسَّ مَوَاضِعَ الْبَيَاضِ لَا يُكْرَهُ؛ لِأَنَّهُ لم يَمَسَّ الْقُرْآنَ وَهَذَا أَقْرَبُ إِلَى الْقِيَاسِ وَالْمَنْعُ أَقْرَبُ إِلَى التَّعْظِيمِ.

رسائل ابن عابدین شامی میں ہے: "في السراج لايجوز مس آيةفي لوح أو درهم أو حائط، ويجوز مس غير موضع الكتابة بخلاف المصحف فإن الكل فيه تبع للقرآن، وكذا كتب التفسير لايجوز مس موضع القرآن منها، وله أن يمس غيره. كذافي الإيضاح".[۱۱۳]

طحطاوی علی المراقی میں ہے: وفيما عدا المصحف إنما يحرم مس الكتابة لا الحواشي ، ويحرم الكل في المصحف ؛لأن الكل تبع له كما في الحدّادي وغيره ".[مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی / مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی،/مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی]

دوسرے سوال کا دوسرا جز: (ب) قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں خود ان نقوش یا ان مقامات و آلات کو جہاں وہ محفوظ ہیں، چھونے کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں مندوبین کرام کے دو نظریات ہیں:

پہلا نظریہ: جدید ایجادات میں قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں خود ان نقوش یا ان مقامات و آلات کو جہاں وہ محفوظ ہیں، بلا حائل بے وضو چھونا ناجائز ہے۔

یہ نظریہ بعض علما کا ہے۔ ان کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆ وہ C D اور D V D جس میں قرآن عظیم کسی بھی شکل میں محفوظ ہے اس کو بلا حائل بے وضو چھونا ناجائز ہے، بلکہ اسے رومال وغیرہ کسی پاک کپڑے کے ذریعہ چھونا چاہیے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ قرآن اسکرین پر مرسوم شکل میں نمایاں نہ ہو۔ مگر اتنا تو ہے کہ اس میں قرآن کے حروف، نقوش، الفاظ سب کے سب محفوظ ہیں۔ [مقالہ مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی، خیر آباد]

☆ فتاویٰ رضویہ میں ہے: محدث کو مصحف چھونا مطلقاً حرام ہے خواہ اُس میں صرف نظم قرآن عظیم مکتوب ہو یا اُس کے ساتھ ترجمہ و تفسیر و رسم خط وغیرہا بھی؛ کہ ان کے لکھنے سے نامِ مصحف زائل نہ ہوگا، آخر اُسے قرآن مجید ہی کہا جائے گا ترجمہ یا تفسیر یا اور کوئی نام نہ رکھا جائے گا، یہ زوائد قرآن عظیم کے توابع ہیں اور مصحف شریف سے جُدا نہیں ولہٰذا حاشیہ مصحف کی بیاض سادہ کو چھونا بھی ناجائز ہوا بلکہ پٹھوں کو بھی بلکہ چولی پر سے بھی بلکہ ترجمہ کا چھونا خود ہی ممنوع ہے اگرچہ قرآن مجید سے جُدا لکھا ہو۔

[مقالہ مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی]

☆ اس نظریہ کے حامل علمائے کرام نے عموما ان دلائل سے استدلال کیا ہے جو خاص مصحف شریف سے متعلق وارد ہیں، گویا وہ اسے محفوظ مصحف کے حکم میں مانتے ہیں۔

دوسرا نظریہ: جدید ایجادات میں قرآن پاک کے نقوش جو اعداد وغیرہ کی شکل میں محفوظ ہیں خود ان نقوش یا ان مقامات و آلات کو جہاں وہ محفوظ ہیں، بلا حائل بے وضو چھونا جائز ہے۔ یہ نظریہ باقی علمائے کرام کا ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

☆ بلا حائل بے وضو چھونا جائز ہے؛ اس لیے کہ اس حالت میں وہ قرآن نہیں ہے، اور اگر اسے مجازا قرآن کہا بھی جائے تو بھی اس کے چھونے میں کوئی حرج نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ چھونے کا تعلق مکتوب مستبین سے ہے اور اس میں جو کچھ محفوظ ہے بلا شبہہ وہ مکتوب مستبین نہیں ہے۔ [یہ دلیل ان حضرات کی بھی ہے جو اس محفوظ کوڈ کو قرآن نہیں کہتے ہیں]

☆ موبائل اور کمپیوٹر کی میموری میں قرآن حکیم کی تحمیل کے بعد جو محفوظ ہے وہ قرآن پاک ہے، لیکن اس پر مصحف کا حکم جاری نہ ہوگا؛ کیوں کہ

قرآن حکیم جب شکل مرسوم کے ساتھ مکتوب ہوگا اس وقت اسے بلا وضو بغیر غلاف کے چھونا ناجائز ہے۔ نبراس میں ہے :

يحرم للمحدث مس القرآن، أي بوجوده الخطي۔

☆اس کے علاوہ کسی بھی شی کے ممسوس ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرئی ومشاہد ہو اور میموری میں جو محفوظ ہے وہ مرئی ومشاہد نہیں ہے؛ اس لیے وہ قابل مس ہے ہی نہیں، جیسے قلب حافظ میں جو محفوظ ہے وہ قرآن کریم ہے، مگر چوں کہ وہ مرئی ومشاہد نہیں ہے: اس لیے وہ قابل مس نہیں ہے، اسی بنا پر بلا وضو اس سے مصافحہ وغیرہ کیا جا سکتا ہے۔

☆ مزید یہ کہ عرف میں جس کو مصحف کہا جاتا ہے اسے بلا وضو چھونا ناجائز ہے اور میموری میں جو محفوظ ہے عرف میں کوئی اسے نہ مصحف کہتا ہے نہ سمجھتا ہے؛ اس لیے بلا وضو اسے چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"لأن الممنوع لغير الطاهر مس ما يقال في العرف القرآن و إلا فالحروف نقوش دالة على القرآن، وفي العرف يقال لمجموع الجلد والأوراق القرآن ولمن مس الدفتين يقال له إنه ماس للقرآن فافهم".

[رسائل الأركان]

پھر میموری میں قرآن کریم کے علاوہ دیگر بہت سی چیزیں لوڈ ہوتی ہیں تو بالفرض اگر اسے مکتوب ومرسوم کے درجے میں ٹھہرایا جائے جب بھی اسے بلا وضو چھونے میں حرج نہیں کہ اس تقدیر پر اس کی حیثیت کتب تفسیر کی ہوئی جنھیں محدث کے لیے چھونا جائز ہے۔

در مختار میں ہے :"وقد جوز أصحابنا مس كتب التفسير للمحدث ولم يفصلوا بين كون الأكثر تفسيرا أو قرآنا ولو قيل به اعتبارا للغالب لكان حسنا. قلت: لكنه يخالف مامر، فتدبر".

[مقالہ مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی]

تیسرا سوال اور اس کے جوابات

تیسرا سوال ہے : میموری میں غزلیات، فلمی گانے، لطائف، طنز ومزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک کی تحمیل[UPLOAD] کا کیا حکم ہے ؟ خواہ مکمل قرآن یا اس کی کچھ سورتیں یا آیتیں۔

اس سوال کے جواب میں مندوبین کے تین نظریات ہیں:

پہلا نظریہ : میموری میں غزلیات، فلمی گانے، لطائف، طنز ومزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک کی تحمیل درست نہیں/ناجائز ہے/حرام اور تحقیر محترم کی وجہ سے گناہ ہے۔

یہ نظریہ چند علما کا ہے۔ ان کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆ اگر یہ محقق بھی ہو جائے کہ میموری کارڈ اور سی ڈی وغیرہ کے بنانے میں کہیں نجاست کا خلط نہیں، جب بھی ان آلات وایجادات میں قرآن کو بھرنا درست نہیں؛ کہ سننا سنانا عموماً لہو ولعب کے طور پر ہوتا ہے۔

[مقالہ مولانا قاضی فضل احمد مصباحی، بنارس]

☆ اس صورت میں قرآن پاک کی تحمیل ناجائز و گناہ ہے؛ کہ قرآن یا آیات قرآنیہ کو فلمی گانے اور تصاویر وغیرہ اشیاے قبیحہ کے ساتھ خلط یا ضم کرنا لازم آئے گا، بلکہ محل نجاست اور مواقع شیطان میں قرآن کو رکھنے کے مرادف ہوگا اور قرآن کو ایسی جگہوں میں رکھنا، پڑھنا دونوں منع ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے :"المجلس الذي اجتمعوا فيه للغِناء والرقص لا يُقرأ فيه القرآن كما لا يُقرأ في البِيَع والكنائس؛ لأنه مجمع الشيطان". [مقالہ مولانا معین الدین مصباحی، دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد]

☆ اس صورت میں تحمیل ممنوع ہونی چاہیے کہ یہ جمع بین الضدین اور حق وباطل کی آمیزش کے مترادف ہے۔

[مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی، دار العلوم ندائے حق، امبیڈکر نگر]

☆اس صورت میں تحمیل حرام ہے؛ کیوں کہ اس میں قرآن پاک کی بے ادبی ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے :" اگر بھرنے والوں نے ایک ہی رِکاٹ کے ایک پہلو پر کچھ آیات یا اشعار حمد ونعت اور دوسرے پر کچھ خرافات بھری ہیں تو یہ بے ادبی وجمع ضدین ان کا فعل ہے"۔

[مقالہ مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی، مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد]

دوسرا نظریہ : میموری میں غزلیات، فلمی گانے، لطائف، طنز ومزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک کی تحمیل خلاف ادب ہے/بے ادبی ہے/بچنا لازم ہے۔

یہ نظریہ اکثر علما کا ہے۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ سی ڈی یا میموری کارڈ میں اگر چہ الگ الگ مختلف فائلیں ہوتی ہیں تاہم ان کے درمیان فرق وامتیاز واضح نہیں ہوتا، قرآن کریم اس طرح کی سی ڈی یا میموری میں تحمیل کرنا اس کو لہو ولعب میں لانے کے مترادف ہے اور قرآن حکیم کی بے ادبی ہے۔

[مقالہ مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی، جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف]

☆اس میں پورا قرآن یا اس کی کوئی آیت لوڈ کرنا بے ادبی ہے جیسے کہ قرآن کی تفسیر کے ساتھ ساتھ مزاحیہ اشعار لکھنا بے ادبی ہے اگر چہ بطور استشہاد ہو۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے :

علماے کرام نے زمخشری معتزلی کا تفسیر میں بعض ابیات ہزل لانا اگر چہ بروجہ استشہاد تھا مذموم ومعیوب وخلاف ادب جانا" ۔

[مقالہ مولانا دستگیر عالم مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور]

☆ایسی میموری میں پورے قرآن پاک یا اس کی کچھ سورتوں یا آیتوں کی تحمیل کا مطلب ہے کہ سوال میں مذکور فحش اور مخرب اخلاق چیزوں کے ساتھ

قرآن کا ملانا۔ اور یہ نہ صرف شرع وعقل بلکہ عرف کے اعتبار سے بھی مجانست یعنی قرآن پاک کو اور ان گندی چیزوں کو ہم جنس ٹھہرانا اور ان کے درمیان کوئی فرق نہ کرنا ہے۔ اور یہ سخت مذموم ومعیوب اور خلاف ادب ہے۔ فقیہ اسلام امام احمد رضا فرماتے ہیں: تعظیم قرآن عظیم ایمان مسلم ہے، اس کے لیے کسی خاص آیت وحدیث کی کیا حاجت اور تعظیم وبے تعظیمی میں بڑا دخل عرف کو ہے۔

[مقالہ مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی]

☆ اس طرح کی میموری میں قرآن پاک کی تحمیل بے ادبی ہے جسے ایمان والا گوارا نہیں کرتا؛ یہ شرعاً ناجائز امور اپنے اندر نجاست معنوی رکھتے ہیں، تو ان میں قرآن کریم اپلوڈ کرنا تقاضۂ ادب کے خلاف ہے، عرف میں بھی اہل ایمان اسے بے ادبی سمجھتے ہیں، اور تعظیم وبے تعظیمی میں بڑا دخل عرف کا بھی ہے۔

[مقالہ مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی]

تیسرا نظریہ: میموری میں غزلیات، فلمی گانے، لطائف، طنز ومزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک کی تحمیل جائز ہے، اس میں کوئی بے ادبی نہیں۔

یہ نظریہ بعض علمائے کرام کا ہے۔ ان حضرات کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆ اس صورت میں قرآن پاک لوڈ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ میموری میں متعدّد خانے [Folder] بنے ہوتے ہیں، یہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ایک گھر میں متعدد کمرے ہوتے ہیں، اگر ایک کمرے میں کوئی ناجائز چیز رکھی گئی ہو تو اس گھر کے دوسرے کمرے میں قرآن کے نسخوں کو رکھنا اس کی اہانت نہیں کہلائے گا۔ اسی طرح ایک فولڈر میں اگر پورا قرآن پاک یا اس کی کچھ آیتیں ہوں اور دوسرے میں یہ ممنوع اشیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیے۔ ہاں! ایک ہی فولڈر میں فلمی گانے، ناٹک، غزلیں اور قرآن کریم کو ایک ساتھ محفوظ کرنا قرآن پاک کی عظمت کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ [مقالہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی]

☆ امور محظورہ کے ساتھ اجتماع سے بچنے کی یہ صورت نہیں ہونی چاہیے کہ ان کے ساتھ اس کی تحمیل ناجائز ہو، بلکہ اگر وہ پہلے سے اپلوڈ ہوں تو ان کو ڈیلیٹ کرنے کا حکم ہونا چاہیے، بالکل اسی طرح جیسے مزارات پر مناہی شرع کو روکا تو جاسکتا ہے لیکن ان کی بنیاد پر حاضری مزارات کو ترک نہیں کیا جاسکتا، فان الضرر لا یزال بالضرر۔

نیز صورت بالا میں تحمیل قرآن کو ناجائز قرار دینے کی صورت میں منع تعلیم قرآن بھی لازم آئے گا جو بجائے خود امر محظور ہے، جب کہ فقہانے تضییع حفظِ قرآن کے خطرے کے پیش نظر نابالغوں کے لیے دفع مصحف کا حکم دیا ہے۔ [مقالہ مولانا خالد ایوب مصباحی، جامعہ اشرفیہ]

☆ میموری میں الگ الگ خانے بنے ہوتے ہیں، جن خانوں میں پہلے سے کوئی غزل یا گانا ہوتا ہے ان میں کسی بھی دوسری چیز کو لوڈ کیا ہی نہیں جاسکتا ہے جب تک کہ پہلے ان غزلیات کو محو نہ کر دیا جائے؛ لہٰذا اگر قرآن کریم کو اس میموری میں محفوظ کیا جائے جس میں غزلیات وغیرہ ہیں تو کوئی بے ادبی نہیں ہوگی؛ لہٰذا ایسی میموری میں قرآن پاک بھرنا جائز ہے، لیکن بچنا اولیٰ و بہتر ہے۔

[مقالہ مولانا محمد ناصر حسین مصباحی]

باقی دو حضرات نے اس تعلق سے اپنی کوئی رائے رقم نہیں فرمائی۔

چوتھا سوال اور اس کے جوابات

چوتھے سوال کے دو جز ہیں۔ **پہلا جز ہے:** قرآن پاک میموری کارڈ میں محفوظ ہو تو میموری کارڈ کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں ہمارے مندوبین کرام کے دو موقف ہیں:

پہلا موقف: قرآن پاک میموری کارڈ میں محفوظ ہو تو اس کا بلا حائل بے وضو چھونا ناجائز/حرام ہے۔

یہ موقف بعض علما کا ہے۔ ان کے دلائل کا حاصل یہ ہے کہ:

☆ وہ میموری کارڈ جس میں قرآن کریم محفوظ ہے وہ بغیر جزدان قرآن کے حکم میں ہے۔ وہ قرآن ہی کے مثل محترم معظم ہے۔ میموری کارڈ اور سی ڈی کے ساتھ قرآن کریم کا اتصال ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم کی جلد کا اتصال قرآن کریم کے ساتھ ہے، اور بلا طہارت قرآن کریم کی جلد کو چھونا ناجائز ہے؛ لہٰذا جس میموری کارڈ یا سی ڈی میں قرآن کریم محفوظ ہو اس کا بھی بے طہارت چھونا ناجائز ہوگا۔

دوسرا موقف: قرآن پاک میموری کارڈ میں محفوظ ہو تو اس کا بلا حائل بے وضو چھونا جائز ہے۔

یہ موقف باقی مقالہ نگار علمائے کرام کا ہے۔ اور ان کے دلائل وہی ہیں جو دوسرے سوال کے جواب میں مذکور ہیں۔ مثلاً:

☆ جو کچھ میموری کارڈ میں کوڈ کی شکل میں محفوظ ہے وہ در حقیقت قرآن نہیں ہے۔ اور اگر قرآن ہو بھی تو وہ محفوظ فی القلوب کی طرح سے ہے اور چھونے کا تعلق مکتوب مستبین سے ہے۔ نیز اسے عرف میں مصحف نہیں کہا جاتا ہے۔ وغیرہ

چوتھے سوال کا **دوسرا جز** ہے: جب وہ میموری کارڈ موبائل میں لگا دیا جائے تو موبائل کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس صورت میں بے وضو بلا حائل اس موبائل کا چھونا جائز ہے؛ اس لیے کہ جن حضرات کے نزدیک خود میموری کارڈ کا چھونا جائز ہے تو موبائل میں لگانے کے بعد موبائل کا چھونا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا؛ کہ اب ایک غلاف کا اضافہ ہو گیا۔ اور

جن حضرات کے نزدیک میموری کارڈ کا چھونا جائز نہیں ہے، ان کے نزدیک بھی موبائل کا چھونا جائز ہے؛ کیوں کہ وہ موبائل میموری کارڈ کے لیے باکس یا غلاف کی منزل میں ہے۔ اور باکس یا غلاف کے اوپر سے قرآن کریم چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پانچواں سوال اور اس کے جوابات

پانچواں سوال ہے: اور بہر حال درج بالا آلات سے قرآن کا حذف [ڈیلٹ DELETE] جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں مندوبین کے دو موقف ہیں:

پہلا موقف: درج بالا آلات سے قرآن کریم کا حذف عام حالات میں ناجائز ہے۔ ہاں! بعض صورتوں میں جائز یا واجب ہے۔

یہ موقف چند علما کا ہے۔ ان کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

☆ اگر اندیشہ ہو کہ میموری کے اندر جو قرآن محفوظ ہے اس کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھ پائیں گے، بلکہ جانے انجانے میں اس کی حرمت پامال ہوگی تو اس مقصد کے تحت درج بالا آلات سے قرآن کا حذف جائز ہے؛ کہ اس میں مقصود قرآن کریم کی بے حرمتی نہیں بلکہ اس کے حرمت کی پاس داری ہے، اور الامور بمقاصدھا کے تحت اسے ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ [مقالہ مولانا قاضی فضل احمد مصباحی]

☆ درج بالا آلات میں قرآن کریم اگر دیگر خرافات کے ساتھ لوڈ کیا گیا ہے تو بے ادبی کے سبب اس کا حذف جائز ہے، ورنہ نہیں۔ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں فرماتے ہیں:

"دیواروں پر کتابت قرآن عظیم میں رجحان جانب ممانعت ہے اور اگر منبر پر کھڑے ہونے میں اس طرف امام کی پیٹھ ہوتی ہے تو ضرور خلاف ادب ہے اور اگر پاؤں یا مجلس سے بلا ساتر نیچے ہیں تو اور زیادہ سوء ادب ہے ان حالتوں میں ان کا سیمنٹ یا چونے کسی پاک چیز سے بند کر دینا حرج نہیں رکھتا بلکہ بہ نیت ادب محمود ہے اور اگر نہ نیچے ہیں نہ پیچھے جب بھی اگر اس قول راجح کے لحاظ سے یا اس لئے کہ محراب میں کوئی شے شاغل نظر نہ ہونی چاہیے بند کرنے میں حرج معلوم نہیں ہوتا۔ فان الامور بمقاصدھا وانما لکل امرئ مانوی۔

[مقالہ مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی، مدرسہ ضیاء العلوم، خیرآباد]

☆ کسی غرض صحیح کی تحصیل کے لیے قرآن کا حذف کیا جائے تو بعض صورتوں میں جائز اور بعض صورتوں میں واجب ہے۔ مثلاً:

* قرآن کا کوئی کلمہ یا اس کی کوئی آیت غلط کمپوز ہو جائے یا نامناسب جگہ پر کمپوز ہو جائے تو اس کا حذف واجب ہے۔

* بدمذہبوں کی تقریروں اور تحریروں کو قرآنی آیات کے ساتھ حذف کر دینا واجب ہے۔ ہاں! اگر کوئی سنی عالم اس پایے کا ہو کہ وہ ان میں مذکور باطل عقائد و نظریات کا دنداں شکن جواب دے سکتا ہو تو وہ ڈیلٹ نہ کرے۔

* سوال نمبر تین میں مذکور مواد کے ساتھ اگر قرآن پاک یا اس کی کچھ سورتیں یا آیتیں لوڈ ہوں تو ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان فحش اور غیر شرعی مواد کو حذف کر دے تاکہ قرآن کی تعظیم اور اس کا ادب واحترام قائم ہو۔ لیکن اگر وہ اپنی خواہشات نفسانی کا اس طرح مغلوب ہو گیا ہے کہ وہ ان ناپسندیدہ مواد کو حذف نہیں کر سکتا تو پھر قرآن کریم یا اس کی سورتوں اور آیتوں کو ہی حذف کر دے تاکہ وہ ان کی بے ادبی کے وَبال سے تو بچ جائے۔

* کثرت استعمال یا کسی اور وجہ سے میموری میں محفوظ قرآن پاک قابلِ استفادہ نہ رہ جائے تو بھی اندرونی میموری سے اس کا حذف کرنا جائز اور میموری کارڈ اور سی ڈی سے اس کا حذف واجب ہوگا تاکہ اس کی بے ادبی نہ ہو۔ علما فرماتے ہیں:

الکتب التي لا ینتفع بها یمحی عنها اسم اللہ و ملائکته و رسله و یحرق الباقي۔ [مقالہ مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی، ص۷]

☆ عام حالات میں موبائل سے قرآن پاک کا ڈیلٹ کرنا جائز نہیں ہونا چاہیے، فتاویٰ رضویہ میں ہے:

اس کا (مصحف شریف کا) ٹین میں رکھ کر بند کر دینا یا موم جامے یا کپڑے ہی کے غلاف میں سی دینا یہ خود خلاف شرع ہے؛ کہ اس کی تلاوت سے منع ہے، ائمہ سلف تو غلاف مصحف شریف میں بند لگانے کو مکروہ جانتے تھے کہ بند باندھنا بظاہر منع کی صورت ہوگا تو یوں ٹین وغیرہ میں رکھ کر ہمیشہ کے لیے سی دینا کہ حقیقتاً منع ہے کس درجہ مکروہ و مورد شنع ہے۔ [فتاویٰ رضویہ ج۴، ص۱۶۱]

ہاں! اگر موبائل قابلِ استعمال نہ رہ جائے تو اس سے آیات قرآن کا حذف جائز ہونا چاہیے، یوں ہی اگر وہ موبائل جس میں قرآن لوڈ ہو کسی کافر کے ہاتھ فروخت کرنا ہو تو اس سے بھی ڈیلٹ کرنا جائز ہونا چاہیے؛ کیوں کہ کافر کو مصحف شریف دینے سے منع کیا گیا ہے۔

[مقالہ مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی، دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی]

دوسرا موقف: کسی حاجت یا ضرورت کے پیش نظر درج بالا آلات سے قرآن کریم کا حذف جائز ہے۔ یہاں حاجت وضرورت سے مراد عرفی حاجت وضرورت ہے، مثلاً کوئی چیز لوڈ کرنی ہے اور اس میں گنجائش نہیں ہے تو قرآن پاک حذف کر کے دوسری جائز چیز لوڈ کی جا سکتی ہے۔

یہ موقف باقی تمام علمائے کرام کا ہے۔ ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وَلَوْ مَحَا لَوْحًا كُتِبَ فِيهِ الْقُرْآنُ وَاسْتَعْمَلَهُ فِي أَمْرِ الدُّنْيَا يَجُوزُ، وَقَدْ وَرَدَ النَّهْيُ عَنْ مَحْوِ اسْمِ اللّٰهِ تَعَالَى بِالْبُزَاقِ، كَذَا فِي الْغَرَائِبِ. [ج۵، ص۳۲۲]

☆ البحر الرائق میں ہے: مَحَا لَوْحًا يَكْتُبُ فِيهِ الْقُرْآنَ وَاسْتَعْمَلَهُ فِي أَمْرِ الدُّنْيَا يَجُوزُ۔ [مقالات متعددہ]

☆ قرآن کریم کے ڈیلٹ میں ابتلاے عام ہے، خواص و عوام سبھی اس میں مبتلا ہیں؛ اس لیے جواز کا قول ہونا چاہیے۔

[مقالہ مولانا محمد منظر عقیل قادری مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور]

☆ اگر حسب ضرورت بھی اجازت حذف نہ ملے تو بہت ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے دیگر منافع حیات و ضروریات اپلوڈ نہ کی جاسکیں، اور یہ باعث حرج ہے۔ یا اس کی وجہ سے قرآن کریم کے ساتھ دیگر محرمات اور لہو ولعب کا اجتماع ہو؛ اس لیے حسبِ ضرورت حذف قرآن جائز ہونا چاہیے ۔[مقالہ مولانا خالد ایوب مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور]

چھٹا سوال اور اس کے جوابات

چھٹا سوال ہے: اس ضمن میں یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ جنب اور بے وضو کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا کیسا ہے؟

اس کے جواب میں مندوبین کے موقف چار طرح کے ہیں:

پہلا موقف: جنب یا بے وضو کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا درست نہیں/ممنوع ہے/ناجائز ہے۔

یہ موقف بعض علما کا ہے۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ بے وضو اور جنبی وغیرہ کے لیے جس طرح قرآن پاک کی کتابت ناجائز ہے اسی طرح اس کی کمپوزنگ بھی ممنوع ہونی چاہیے؛ اس لیے کہ کمپوزنگ بھی ایک طرح کی کتابت ہے، فرق اتنا ہے کہ آلہ کتابت بدلا ہوا ہے، پہلے قلم اور سیاہی سے کاغذ پر لکھا جاتا تھا اور اب جدید دور میں کی بورڈ کے سہارے کمپیوٹر پر کتابت کی جاتی ہے، وہاں قلم واسطہ تھا یہاں کی بورڈ واسطہ ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”وَيُكْرَهُ لِلْجُنُبِ وَالْحَائِضِ أَنْ يَكْتُبَا الْكِتَابَ الَّذِي فِي بَعْضِ سُطُورِهِ آيَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنْ كَانَا لَا يَقْرَآنِ الْقُرْآنَ . وَالْجُنُبُ لَايَكْتُبُ الْقُرْآنَ وَإِنْ كَانَتِ الصَّحِيفَةُ عَلَى الْأَرْضِ وَلَا يَضَعُ يَدَهُ عَلَيْهَا، وَإِنْ كَانَ مَا دُونَ الْآيَةِ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ لَايَكْتُبَ، وَبِهِ أَخَذَ مَشَايِخُ بُخَارَى. هَكَذَا فِي الذَّخِيرَةِ. [الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ج ۱، ص ۳۹]

بہار شریعت میں ہے: جس کو نہانے کی ضرورت ہو اس کو مسجد میں جانا، طواف کرنا، قرآن مجید چھونا اگرچہ اس کا سادہ حاشیہ یا جلد یا چولی چھوئے یا بے چھوئے دیکھ کر یا زبانی پڑھنا یا کسی آیت کا لکھنا یا آیت کا تعویذ لکھنا یا ایسا تعویذ چھونا یا ایسی انگوٹھی چھونا یا پہننا جیسے مُقَطَّعات کی انگوٹھی حرام ہے۔ [مقالہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی]

☆ بے وضو یا حالتِ جنابت میں قرآن حکیم کی کمپوزنگ کرنا ناجائز ہے۔ القلم أحد اللسانين ۔[مقالہ مولانا محمود احمد برکاتی]

دوسرا موقف: جنب کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا ناجائز، اور بے وضو کے لیے جائز ہے۔

یہ موقف چند علماے کرام کا ہے۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ جنب کے لیے کمپوزنگ کے عدم جواز کی وہی دلیل ہے جو پہلے موقف والوں کی ہے۔ اور بے وضو کے لیے کمپوزنگ کے جواز کی علت دفع حرج ہے۔ والحرج مدفوع بنص القرآن الكريم۔

[مقالہ مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی، بریلی شریف]

☆ جنب کے لیے کمپوزنگ جائز نہیں؛ اس لیے کہ اسے کمپوز کے وقت پڑھا بھی جاتا ہے۔ بے وضو بغیر چھوئے کمپوز کر سکتا ہے۔

[مقالہ مولانا محمد انور نظامی مصباحی، مدرسہ فیض النبی، ہزاری باغ]

☆ محدث قرآن کی کتابت کر سکتا ہے یا نہیں، اس سلسلے میں فقہاے کرام کے درمیان شدید اختلاف ہے؛ اس لیے اعتدال کا راستہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ بے وضو کے لیے قرآن حکیم کی کمپوزنگ جائز قرار دی جائے؛ کیوں کہ بہ تقاضاے بشری حدث کا تحقق بار بار ہوتا ہے اور بار بار وضو کا پابند بنانے میں حرج ہے۔ دوسرے یہ کہ کمپوزنگ بٹن اور اسکرین کی تختی میں اتنا فاصلہ رہتا ہے کہ کمپوزر کا ہاتھ عین مکتوبت تک نہیں پہنچتا، تو یہ صورت بے وضو قرآن چھونے کو مستلزم نہیں۔ اور جنابت کا تحقق بار بار نہیں ہوتا اور نہ ازالۂ جنابت کا پابند بنانے میں حرج و مشقت ہے؛ اس لیے احترام قرآن کو ملحوظ رکھتے ہوئے جنب کو قرآن عظیم کمپوز کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔ [تفصیل کے لیے دیکھیں مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی، ص ۸ تا ص ۱۱]

تیسرا موقف: بعض آلات میں جنب اور بے وضو دونوں کے لیے کمپوزنگ جائز ہے اور بعض آلات میں دونوں کے لیے ناجائز ہے۔ یہ موقف مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی، مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

☆ کمپیوٹر کے لیے استعمال ہونے والا کی بورڈ کمپیوٹر سے متّصل اور اس کے تابع نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس سے بالکل منفصل اور جدا ہوتا ہے اور لیب ٹاپ کا کی بورڈ اگرچہ اس سے متّصل ہوتا ہے مگر وہ اس کے انٹرنل ہارڈ ڈسک سے متّصل اور اس کے تابع نہیں ہوتا بلکہ اس سے منفصل اور جدا ہوتا ہے؛ اس لیے جنب اور بے وضو دونوں کے لیے ان دونوں کی بورڈوں سے قرآن کریم کمپوز کرنا امام ابو یوسف و امام محمد دونوں کے قول پر جائز ہے۔

☆ موبائل، آئی فون اور ٹیب لیٹ میں جب اندرونی میموری مین قرآن کریم کو کمپوز کر کے ودیعت کیا جائے تو پوری ایک آیت کمپوز کرتے ہی جنب اور بے وضو کا ان آلات کو چھونا جائز نہیں ہوگا؛ اس لیے ان کا ان آلات پر قرآن

کمپوز کرنا جائز نہیں۔ ہاں! اس وقت جائز ہے جب ان آلات اور جنب و بے وضو کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل ہو جو ان سے منفصل اور جدا ہو۔

چوتھا موقف: جنب اور بے وضو دونوں کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا جائز ہے۔ [البتہ غسل و وضو کرکے اور خوشبو وغیرہ لگا کے کمپوز کرے تو ضرور نور علی نور ہے۔]

یہ موقف باقی مقالہ نگار علما کا ہے۔ ان میں بعض نے یہ تاکید کی ہے کہ کمپوزنگ کے وقت اس کا خیال رکھیں کہ نہ ان آیات کا تلفظ کریں اور نہ ہی لکھے ہوئے پر ہاتھ رکھیں۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ جنب اور بے وضو کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا جائز ہے؛ اس لیے کہ: کمپوزنگ ایک ایک حرف کی ہوتی ہے اور وہ قرآن نہیں ہے۔★ کمپوز کرنے میں آیاتِ قرآنیہ پر ہاتھ نہیں پڑتا ہے اور نہ ہی کسی طرح مکتوب کو چھونے کا معاملہ ہوتا ہے۔★ کمپوزر کی انگلی براہ راست کی بورڈ سے مس ہوتی ہے اور کی بورڈ پر محض انگریزی یا کسی اور زبان کے حروف تہجی ہی ہوتے ہیں، اس پر کوئی ایسی چیز نہیں لکھی ہوتی جس کو چھونے کے لیے وضو کی ضرورت ہو۔

☆ جوہرہ نیرہ میں ہے: وَهَلْ يَجُوزُ لِلْجُنُبِ كِتَابَةُ الْقُرْآنِ، قَالَ فِي مُنْيَةِ الْمُصَلِّي لَا يَجُوزُ وَفِي الْخُجَنْدِيِّ يُكْرَهُ لِلْجُنُبِ وَالْحَائِضِ كِتَابَةُ الْقُرْآنِ إذَا كَانَ مُبَاشِرَ اللَّوْحِ وَالْبَيَاضِ وَإِنْ وَضَعَهُمَا عَلَى الْأَرْضِ وَكَتَبَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى الْمَكْتُوبِ لَا بَأْسَ بِهِ. [الجوهرة النيرة]

☆ حاشیہ الطحاوی علی المراقی میں ہے: وأما كتابة القرآن فلا بأس بها إذا كانت الصحيفة على الأرض عند أبي يوسف لأنه ليس بحامل للصحيفة وكره ذلك محمد وبه أخذ مشايخ بخارى. قال الكمال: وقول أبي يوسف أقيس؛ لأن الصحيفة إذا كانت على الأرض كان مسها بالقلم وهو واسطة منفصلة فصار كثوب منفصل إلا أن يكون يمسه بيده.

☆ بدائع الصنائع میں ہے: وَلَوْ كَانَتِ الصَّحِيفَةُ عَلَى الْأَرْضِ فَأَرَادَ الْجُنُبُ أَنْ يَكْتُبَ الْقُرْآنَ عَلَيْهَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا بَأْسَ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحَامِلٍ لِلصَّحِيفَةِ، وَالْكِتَابَةُ تُوجَدُ حَرْفًا فَحَرْفًا. وَهَذَا لَيْسَ بِقُرْآنٍ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: أَحَبُّ إلَيَّ أَنْ لَا يَكْتُبَ، لِأَنَّ كِتَابَةَ الْحُرُوفِ تَجْرِي مَجْرَى الْقِرَاءَةِ. [بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الطهارة، فصل الغسل]

☆ در مختار میں ہے: (و) لا تكره (كتابة قرآن والصحيفة أو اللوح على الأرض عند الثاني) خلافا لمحمد، وينبغي أن يقال: إن وضع على الصحيفة ما يحول بينها وبين يده يؤخذ بقول الثاني وإلا فبقول الثالث. قاله الحلبي.

☆ اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: (قَوْلُهُ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) حَيْثُ قَالَ أَحَبُّ إلَيَّ أَنْ لَا يَكْتُبَ، لِأَنَّهُ فِي حُكْمِ الْمَاسِّ لِلْقُرْآنِ حِلْيَةٌ عَنِ الْمُحِيطِ. قَالَ فِي الْفَتْحِ: وَالْأَوَّلُ أَقْيَسُ، لِأَنَّهُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ مَاسٌّ بِالْقَلَمِ وَهُوَ وَاسِطَةٌ مُنْفَصِلَةٌ فَكَانَ كَثَوْبٍ مُنْفَصِلٍ إلَّا أَنْ يَمَسَّهُ بِيَدِهِ.

(قَوْلُهُ: وَيَنْبَغِي إلَخْ) يُؤْخَذُ هَذَا مِمَّا ذَكَرْنَاهُ عَنِ الْفَتْحِ، وَوَفَّقَ بَيْنَ الْقَوْلَيْنِ بِمَا يَرْفَعُ الْخِلَافَ مِنْ أَصْلِهِ بِحَمْلِ قَوْلِ الثَّانِي عَلَى الْكَرَاهَةِ التَّحْرِيمِيَّةِ، وَقَوْلِ الثَّالِثِ عَلَى التَّنْزِيهِيَّةِ بِدَلِيلِ قَوْلِهِ أَحَبُّ إلَيَّ إلَخْ.

(قَوْلُهُ: عَلَى الصَّحِيفَةِ) قَيَّدَ بِهَا، لِأَنَّ نَحْوَ اللَّوْحِ لَا يُعْطَى حُكْمَ الصَّحِيفَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَحْرُمُ إلَّا مَسُّ الْمَكْتُوبِ مِنْهُ. [كتاب الطهارة، ج ۱، ص ۲۸۴]

یہ ہے جدید ایجادات سے متعلق ۳۳ر مقالات و آرا کا خلاصہ۔ اب اس کی روشنی میں درج ذیل سوالات تنقیح طلب معلوم ہوتے ہیں۔

تنقیح طلب امور

(۱) موبائل، سی ڈی، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، ٹیب لیٹ، آئی فون وغیرہ میں قرآن پاک کے نقوش اعداد وغیرہ کسی بھی شکل میں محفوظ ہوں تو وہ حقیقت میں قرآن ہیں یا انھیں مایکون کے اعتبار سے مجازاً قرآن کہا جاتا ہے؟

(۲) میموری کارڈ، سی ڈی، ڈی وی ڈی یا کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک وغیرہ میں قرآن پاک محفوظ ہو تو اس صورت میں ان آلات کو بلا حائل، بے وضو چھونا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) قرآن پاک کمپیوٹر یا موبائل وغیرہ جدید آلات کی اسکرین پر شکلِ مرسوم میں نمایاں ہو تو اس صورت میں خود ان آلات یا ان کی اسکرین کو بلا حائل، بے وضو چھونا جائز ہے، یا ناجائز، یا ان آلات کے لحاظ سے حکم میں فرق ہوگا؟

(۴) ان جدید آلات کی میموری میں غزلیات فلمی گانے، لطائف طنز و مزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک یا اس کی بعض سورتوں کی تحمیل جائز ہے، یا خلاف ادب ہونے کی وجہ سے ممنوع و ناجائز ہے؟

(۵) ان جدید آلات میں قرآن پاک لوڈ ہو تو کن صورتوں میں اس کا حذف جائز ہے اور کن صورتوں میں واجب ہے؟

(۶) جنب اور بے وضو کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا کیسا ہے؟ [دونوں کے لیے جائز ہے، یا دونوں کے لیے ناجائز ہے، یا بے وضو کے لیے جائز اور جنب کے لیے ناجائز، یا آلات کے لحاظ سے ان کے احکام میں کچھ فرق ہے؟]

رشوت سے آلودہ ماحول میں حقوق العباد کی حفاظت شرعی نقطۂ نگاہ سے

مولانا دستگیر عالم مصباحی

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اکیسویں فقہی سیمینار میں بحث و تحقیق کے لیے منتخب پانچ عناوین میں سے ایک عنوان ہے ”رشوت سے آلودہ ماحول میں حقوق العباد کی حفاظت شرعی نقطۂ نگاہ سے“ جس پر بیس علماے کرام نے تحقیقات پیش کی ہیں جو ۹۷ صفحات پر مشتمل ہیں۔ سوال نامے کی ترتیب کا کام مولانا اختر حسین فیضی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے کیا ہے۔

موصوف نے پہلے ہندوستان کے اندر موجودہ وقت میں رشوت ستانی کا ناگفتہ بہ حال بیان کیا ہے کہ کوئی بھی کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا، حکومت کے کارندے اسے اپنا حق سمجھتے ہیں ملازمین کی تنخواہ نکالنی ہو یا کوئی ملازمت حاصل کرنی ہو، کسی کام کا ٹھیکہ لینا ہو، یا مسلم کمپنی کو اپنی مصنوعات کی فروختگی کا آرڈر لینا ہو، یا گاڑیوں کے لیے پرمٹ حاصل کرنا ہو، غرض ہر کام کے لیے رشوت کا مطالبہ پہلے ہوتا ہے۔

مگر رشوت کے تعلق سے سخت شرعی پابندی بھی ہے کہ حدیث پاک میں رشوت دینے اور لینے والے دونوں کو جہنمی کہا گیا ہے۔ اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض صورتوں میں شرع نے رشوت دینا جائز قرار دیا ہے مگر وہ صرف صورۃً رشوت ہوتی ہے اس لیے سوال نامے میں فتاوی رضویہ کا ایک مختصر اور فتح القدیر کا ایک مبسوط اقتباس نقل کیا گیا ہے جس میں رشوت کی چار قسمیں اور ان کے احکام بیان کیے گئے ہیں اس کے بعد ارباب فقہ و افتا سے دو سوال کیے گئے ہیں:

۱- ہمارے فقہا نے کن کن صورتوں میں رشوت دینے کی اجازت دی ہے؟

۲- کیا آج کے حالات کے پیش نظر ان میں سے کوئی ایسی صورت پائی جاتی ہے جس پر عمل کر کے عوام گناہ سے بچ سکتے ہیں یا اور کوئی اباحت و جواز کی صورت ہے؟

ان سوالوں کے جواب سے پہلے بیشتر مقالہ نگاروں نے رشوت کی تعریف کتبِ لغت و فقہ سے کی ہے اس کے بعد سوال نامہ میں ذکر کیے گئے چند مخصوص امور کے لیے دی جانے والی رشوت کے احکام بیان کیے ہیں۔

رشوت کی تعریف: الرشوة: ما يعطى لإبطال حق أو لإحقاق باطل.

(التعريفات للجرجاني ص ١١١، مرقاة المفاتيح ٧/٢٤٨)

الرشوة بالكسر: ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره ليحكم له أو يحمله على ما يريد. اهـ.

(ردالمحتار ٨/٣٤، البحر الرائق ٧/٤٤٠ كتاب القضاء)

جو پرایا حق دبانے کے لیے دیا جائے رشوت ہے یوں ہی **جو اپنا کام بنانے کے لیے حاکم کو دیا جائے رشوت ہے** لیکن اپنے اوپر سے دفع ظلم کے لیے جو کچھ دیا جائے دینے والے کے حق میں رشوت نہیں یہ دے سکتا ہے لینے والے کے حق میں وہ بھی رشوت ہے اور اسے لینا حرام. (فتاوی رضویہ ۹ نصف آخر/۳۰۰ رضا اکیڈمی)

بعض صورتوں میں اگر چہ رشوت دینا جائز ہے مگر اس کا لینا کسی صورت میں جائز نہیں۔ البحر الرائق میں ہے:

”لم أر قسمًا يحل الأخذ فيه دون الدفع“.

(البحر الرائق ٧/٤٤١، كتاب القضاء)

*** جان، مال، عزت کی حفاظت اور دفع ظلم و ضرر کے لیے رشوت دینا** جائز ہے، اسی طرح کسی کو اس لیے رشوت دینا کہ وہ حاکم کے پاس **اس کا جائز کام بنا دے جائز ہے** اس پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے۔ دلائل یہ ہیں:

●الثّالث: أخذ المال ليسوّي أمره عند السّلطان دفعًا للضّرر أو جلبًا للنّفع، وهو حرامٌ على الآخذ لا الدّافع ... الرّابع ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه وماله، حلالٌ للدّافع حرامٌ على الآخذ، لأنّ دفع الضّرر عن المسلم واجبٌ ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب.

(فتح القدير ٧/٢٣٦، ٢٣٧، بركات رضا پور بندر)

●والأصل فيه حديث عبد الله بن مسعودٍ رضي الله تعالى عنه، فإنّه حبس بالحبشة فرشاهم دينارين حتّى خلّوا سبيله. فعرفنا أنّ هذا ليس من جملة السّحت في حقّ المعطي، وإن كان من جملة السّحت في حقّ الآكل، وأنّه غير داخلٍ تحت قوله صلّى الله عليه وآله وسلّم: ”الرّاشي والمرتشي في النّار“. إنّما قال ذلك في حقّ المعطي إذا قصد به الظّلم، أو إلحاق الضّرر بغيره. **فأمّا إذا قصد دفع الظّلم عن نفسه، أو تحصيل منفعة لنفسه، من غير أن يلتحق الضّرر بغيره، فلا بأس به،**

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

وكذلك الجواب في دار الإسلام إذا قصده ظالمٌ، فلا بأس بأن يعطي شيئًا من ماله إليه، ليدفع الظّلم عن نفسه. قال: بلغنا عن أبي الشّعثاء جابر بن يزيد قال: ما وجدنا في زمن الحجّاج شيئًا خيرًا من رشًى. وفي وصفه ذلك بالخيريّة دليلٌ على أنّه لا إثم على المعطي في الإعطاء، وإن كان الآخذ آثمًا في أخذه. والله الموفّق.

(شرح السير الكبير للسرخسي ٤/٢٢٢، ٢٢٣)

● ووجه آخر من الرشوة وهو الذي يرشو السلطان لدفع ظلمه عنه فهذه الرشوة محرمة على آخذها، غير محظورة على معطيها. اهـ.

(أحكام القرآن للجصاص ٤/٨٦)

● وروى سفيان عن عمرو عن أبي الشعثاء قال لم نجد زمن زياد شيئًا أنفع لنا من الرشا فهذا الذي رخص فيه السلف إنما هو في دفع الظلم عن نفسه بما يدفعه من يريد ظلمه أو انتهاك عِرضه، وقد روي أن النبي ﷺ قسم غنائم خيبر وأعطى العباس بن مرداس السلمي شيئًا فسخطه فقال شعرًا فقال النبي ﷺ: اقطعوا عنا لسانه فزادوه حتى رضي. اهـ. (مصدر سابق)

● دفع الرشوة لدفع الظلم جائز لخوفه على نفسه أو نسائه أو ماله أو مال يتيمه. اهـ. (در منتقى شرح ملتقى ٢/٣٠٨)

يرشوه ليسوي أمره بين يدي السلطان لا يحل للآخذ الأخذ لأن القيام بمعونة المسلمين واجب بدون هذا المال، وهل يحل للمعطي الإعطاء؟ اختلفوا فيه، والصحيح أنه يحل. اهـ ملخصًا. (فتاوى ولوالجيه ٤/٦)

● **تنخواہوں کی برآمدگی کے لیے رشوت دینا** جائز ہے کہ یہ اپنا حق ثابت ہے اور حق ثابت کو روکنا ملازم پر ظلم ہے اس لیے اگر رشوت کے بغیر چارہ نہ ہو تو دفع ظلم کے لیے جائز ہے اس پر تمام مقالہ نگار متفق ہیں۔

دلائل یہ ہیں:

● دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله، **ولاستخراج حق له** ليس برشوة يعني في حق الدافع.

(رد المحتار ٥/٢٧٢، كتاب الحظر والإباحة)

اس کے علاوہ دفع ظلم کے وہ تمام جزئیات اس کے دلائل ہیں جو اس سے قبل نقل کیے جا چکے ہیں۔

حق ثابت کیا ہے اس کی وضاحت مولانا محمود علی مشاہدی نے کچھ اس طرح کی ہے:

یہاں حق سے مراد حق ثابت و لازم ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حق: وہ ہے جو کسی کے لیے متعیّن چیز میں اسباب ملک میں سے کسی سبب کے ذریعہ ثابت ہو اور اس سے انکار کی گنجائش نہ ہو۔

امام جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

الحق: في اللغة هو الثابت الذي لا يسوغ إنكاره.

(كتاب التعريفات، ص:٨٩، دار الكتب العلميه، بيروت)

الحقوق جمع حق. وفي المصباح: الحق خلاف الباطل، وهو مصدر حقَّ الشيء إذا وجب وثبت. وفي البناية: الحق ما يستحقه الرجل... وفي شرح المنار للسيد نكركار: الحق هو الشيء الموجود من كل وجه لا ريب في وجوده. (ج٦، ص٢٤٧، كتاب البيع، باب الحقوق)

مگر یہاں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فتاوی کی ایک عبارت سے اپنا حق لینے کے لیے رشوت دینے کا عدم جواز مترشح ہوتا ہے وہ پوری عبارت اس طرح ہے:

"رشوت لینا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے، لینے والا حرام خوار ہے مستحق عذاب نار ہے، دینا اگر بہ مجبوری اپنے اوپر سے دفع ظلم کو ہو تو حرج نہیں، اور **اپنا آتا وصول کرنے کو ہو تو حرام ہے اور لینے دینے والا دونوں جہنمی ہیں** اور دوسرے کا حق دبانے یا اور کسی طرح ظلم کرنے کے لیے دے تو سخت تر حرام، اور مستحق اشد غضب و انتقام ہے۔ في وصايا الهندية عن فتاوى الإمام قاضي خان أن بذل المال لاستخراج حق له على آخر رشوة، وإن بذل لدفع الظلم عن نفسه وماله لا يكون رشوة."

(فتاوی رضویہ مترجم ۱۸/۴۶۹، ۴۷۰، کتاب الشہادۃ برکات رضا)

اس عبارت کو پانچ علمائے کرام نے اپنے اپنے مقالے میں نقل کیا ہے۔ جن میں مولانا محمد ہارون مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی اور مولانا محمود علی مشاہدی نے اسے بطور شبہہ ذکر کر کے اپنے اپنے انداز میں ازالۂ شبہہ کرنے کی کوشش کی ہے مجموعی طور پر جن کا مآل ایک ہے۔ مولانا محمد ہارون مصباحی رقم طراز ہیں:

"**جواب**: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ یہ مسئلہ اور جزئیہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"والمسألة تحتاج إلى زيادة تقرير وتحرير وتنقيح وتنقير لا نفرغ له الآن وبالله التوفيق".

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ مزید تحقیق و تنقیح اور تفصیل کا طالب تھا لیکن موقع نہ ہونے کے باعث اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اتنے ہی پر اکتفا فرمایا اور اس کی مکمل تفصیل نہیں فرمائی۔

"اپنا حق حاصل کرنے کے لیے کچھ دینا رشوت اور حرام ہے" اس کی جو وجہ محیط برہانی کے اندر بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ اپنا حق ہے تو ملے گا ہی، تو پھر اس کے حصول کے لیے کچھ دینا سراسر حماقت ہے لکھتے ہیں:

"ونوع من ذلك: أن يهدي الرجل إلى قاض ليقضي... واما لا يجوز الإعطاء لأنه إن كان القضاء له بالجور فإنما يعطى المال لأجل الحرام، وإن كان القضاء بالحق فلأن إعطاء المال لمقصود المحصول له

فیکون سفہا و السفه حرام". (المحیط البرهاني ٨/ ٣٦، ٣٧)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اپنا حق بغیر رشوت دیے حاصل ہونے کی کوئی صورت نہ ہو تو پھر رشوت دینا جائز ہوگا" (مقالہ مولانا محمد ہارون مصباحی ص ٣)

✻ حکومت سے کسی کام کا ٹھیکہ لینے کے لیے حکام کو رشوت دینا: اس کے متعلق علماے کرام کے دو موقف ہیں:

پہلا موقف: ناجائز و حرام ہے۔ یہ موقف درج ذیل چار علماے کرام کا ہے:

١- مولانا رفیق عالم مصباحی -٢- مولانا محمود علی مشاہدی -٣- مفتی شہاب الدین اشرفی -٤- مولانا اختر حسین فیضی

ان میں اول الذکر دو علماے کرام نے اس کے عدم جواز کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ یہ اپنا کام بنانے کے لیے دینا ہے جو جائز نہیں، فتاوی رضویہ میں ہے: "یوں ہی جو اپنا کام بنانے کے لیے حاکم کو دیا جائے رشوت ہے" (ج:٩ نصف آخر ص:٣٠٠)

لیکن اس کا جواب بھی مفتی ابرار احمد اعظمی اور مفتی آل مصطفیٰ مصباحی نے اپنے اپنے مقالے میں دیا ہے۔ مفتی ابرار احمد اعظمی نے اس کا بڑا محققانہ جواب رقم فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:

ایک اہم گوشہ: سوال نامہ میں فتاوی رضویہ کی جو یہ عبارت نقل کی گئی ہے: "یوں ہی جو اپنا کام بنانے کے لیے حاکم کو دیا جائے رشوت ہے" اس عبارت کا تعلق رشوت کی صورت ثانیہ سے ہے۔ یعنی اپنے موافق فیصلہ کرانے کے لیے **حاکم شرع** کو رشوت دینا۔ اس کی دو دلیلیں ہیں: ایک دلیل منقول، دوسری معقول۔

دلیل منقول یہ ہے کہ حدیث: "الراشی و المرتشی "حکم و قضا کے باب میں منصوص علیہ ہے اسی مناسبت سے محدثین کرام نے حدیث مذکور کو "باب القضا" میں نقل فرمایا، لہٰذا حکم و قضا کے تعلق سے رشوت لینے اور دینے والے دونوں ہی مستحق لعنت ہیں۔

- فرمان رسالت ہے: لعن الله الراشي و المرتشي في الحكم.

(ترمذی شریف جلد اول ص ١٥٩، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم)

- احکام القرآن للجصاص میں ہے:

عن أبي هريرة قال: قال رسول ﷺ: لعن الله الراشي و المرتشي في الحكم . قال أبو بكر : والرشوة تنقسم إلى وجوه، منها الرشوة في الحكم وذلك محرم على الراشي والمرتشي جميعًا و هو الذي قال فيه النبي ﷺ "لعن الله الراشي والمرتشي". اهـ

(أحكام القرآن للجصاص ج ٤، ص ٨٥)

اور قضا کے تعلق سے رشوت کا لین دین دونوں حرام ہے اس کی دلیل معقول یہ ہے کہ قاضی و حاکم کا حق کے ساتھ فیصلہ کرنا ایک فریضۂ الٰہی اور کار عبادت ہے۔ عبادت میں خلوص لوجہ اللہ شرط ہے، تو حاکم نے فیصلہ کے تعلق سے جوں ہی رشوت لی اس کا یہ فعل خالصًا لوجہ اللہ نہ ہو کر اپنے مفاد کے لیے ہو گیا اور حاکم کا اپنے فریضۂ منصبی سے ہٹ کر اپنے مفاد کے لیے فیصلہ کرنا حق قضا کو فاسد و باطل کرنے کے مترادف ہے، پھر فیصلہ کے تعلق سے حاکم کو رشوت دینے والا ایک باطل و ناجائز کام پر اعانت کرنے کا مرتکب ٹھہرا، تو اس کا رشوت دینا بھی کار باطل کے لیے ہوا۔ فإن المبني على الباطل باطل۔ لہٰذا فیصلہ کے تعلق سے رشوت کا لین دین کرنے والے حاکم و محکوم لہ دونوں ہی مستحق لعنت اور مرتکب حرام ہوئے کہ یہ رشوت حق شرع کو باطل کرنے اور ایک باطل چیز کو ثابت کرنے کے لیے ہوئی۔

بدائع میں ہے: القاضي ينصب لإقامة أمر مفروض وهو القضاء ، قال الله تعالى: يا داؤد إنّا جعلنٰك خليفة في الأرض فاحكم بين الناس بالحق. (٤٣٨/٥)

اسی میں ہے: القضاء عبادة، والعبادة إخلاص العمل بكليته لله عزّ و جل فلا يجوز قضاءه لنفسه. اهـ.

نیز اسی میں ہے: لأنه إذا أخذ على القضاء رشوة فقد قضى لنفسه لا لله عز اسمه فلم يصح. اهـ.

ان تحریرات کا حاصل یہ ہے کہ سرکاری افسران و ملازمین جن کی حیثیت حاکم شرع کی ہرگز نہیں اگر انھیں کسی ایسے جائز کام کے لیے رشوت دینی پڑے جو نہ ابطال حق پر مبنی ہو اور نہ ہی احقاقِ باطل پر تو ایسی صورت میں جلب منفعت کے لیے رشوت دینی جائز ہوگی۔"

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی کا جواب مع سوال اس طرح ہے:

سوال: جلب نفع کے لیے دینا اپنا کام بنانے کے لیے دینا ہے اور اپنا کام بنانے کے لیے دینا رشوت ہے، تو جلب نفع کے لیے دینا بھی رشوت ہونا چاہیے اور حرام ہونا چاہیے، حالاں کہ فتح القدیر میں " أو جلبًا للنفع " کی صورت کو رشوت کی تیسری قسم میں داخل مان کر دینے والے کے حق میں جائز قرار دیا گیا ہے؟

جواب: یہاں دو صورتیں ہیں ایک صورت میں دینے والے کے حق میں بھی وہ رشوت اور حرام ہے جب کہ دوسری صورت میں وہ حرام نہیں۔ جلب نفع کے لیے دینے والے کے حق میں رشوت اور **حرام ہونے کی صورت** یہ ہے کہ کام بنانے والے درمیانی شخص نے سلطان یا حکام کے یہاں کام بنانے کے لیے رقم نہیں مانگی مگر تحصیل نفع کے اطمینان کے لیے متعلقہ شخص نے خود ہی درمیانی شخص کو رقم دی، تو یہ رقم دینا رشوت ہے اور حرام۔

جواز کی صورت یہ ہے کہ درمیانی شخص جو کام بنا سکتا ہے وہ بغیر رقم یا کچھ لیے کام نہ کرے گا اور وہ مطالبہ کر رہا ہے دینے والا بھی یہ سمجھتا ہے کہ نہ دوں گا تو کام نہ بنے گا اور جلب منفعت سے محروم رہوں گا، ایسی صورت میں درمیانی شخص کے مطالبہ پر اس کو بقدر مطالبہ دینا جائز ہے اگرچہ یہ بظاہر رشوت ہے، مگر حقیقتاً رشوت نہیں۔ لینا اگرچہ حرام ہے۔ فتح القدیر کی عبارت "أخذ

"المال ليسوي أمره عند السلطان دفعًا للضرر أو جلبًا للنفع" سے یہی ظاہر ہے۔

جامع الرموز میں رشوت کی جو تعریف کی گئی ہے اسی طرح علامہ شامی وغیرہ فقہا نے جو تعریف کی ہے یا نقل فرمائی ہے اس کے مطابق رشوت کے تین بنیادی عناصر ہیں اور یہ تینوں مستقل ہیں، (۱) ابطال حق کے لیے تسلیم کیا جائے۔ (۲) احقاق باطل کے لیے دیا جائے۔ (۳) جلب منفعت بلفظ دیگر اپنا کام بنانے کے لیے بلا جبر و اکراہ دیا جائے۔ چناں چہ رد المحتار میں ہے:

"ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره ليحكم له أو يحمله على ما يريد"

جامع الرموز میں ہے:

"وفي الشرع ما يأخذه الآخذ ظلمًا بجهة يدفعه الدافع إليه من هذه الجهة، والمرتشي الآخذ والراشي الدافع هكذا في جامع الرموز و في الاصطلاحات الشريفة الشريفية : الرشوة ما يؤخذ لإبطال حق أو لإحقاق باطل".

کتاب التعریفات میں ہے:

"الرشوة ما يعطى لإبطال حق أو لإحقاق باطل".

اس کی مختصر تنقیح یہ ہے کہ بعض صورتوں میں بلا مطالبہ دینا رشوت کے زمرے میں آئے گا اور بعض صورتوں میں نہیں، اگر معاملہ ضرورت شرعیہ کا ہے مثلاً تحفظ جان و مال کا، مبتلیٰ بہ کو جان و مال کا خوف صحیح ہے، اسے اس بات کا غلبۂ ظن ہے کہ اگر ہم مدفوع الیہ کو اتنی مقدار میں مال دیں گے تو اس کی طرف سے جان و مال کا جو خوف تھا وہ دور ہو جائے گا تو یہ رقم دینا رشوت نہ ہوگا اور دینا حلال ہوگا مگر لینا حرام ہوگا۔ لیکن اگر معاملہ جلب منفعت کا ہے یا ایسے ضرر کے دور کرنے کا جس کی حیثیت ضرورت شرعیہ یا ایسی حاجت شرعیہ کی نہیں جو بمنزلہ ضرورت ہے تو بلا مطالبہ بطور خود دینا رشوت اور حرام ہوگا۔ (مقالہ مفتی آل مصطفیٰ مصباحی ص ۲)

مولانا اختر حسین فیضی کی دلیل یہ ہے کہ ٹھیکہ لینا مسلمانوں کا حق ثابت نہیں اس لیے اس کے لیے رشوت دینا جائز نہیں اور مفتی شہاب الدین اشرفی کے نزدیک اس میں ضرورت متحقق نہیں اس لیے دینا جائز نہیں۔

دوسرا موقف: یہ ہے کہ ٹھیکہ کے لیے رشوت دینا جائز ہے یہ موقف باقی علمائے کرام کا ہے مگر یہ حضرات دلائل کے اعتبار سے دو خانوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

پہلی دلیل: یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کے لیے جلب منفعت ہے اور جلب نفع کے لیے رشوت دینا جائز ہے جب کہ اس سے غیر کو ضرر دینا نہ ہو جیسا کہ فتح القدیر اور شرح سیر کبیر کا جزئیہ ابتداءً گزر چکا ہے، یہ دلیل آٹھ علمائے کرام نے دی ہے۔

ان میں مفتی ابرار احمد اعظمی اور امجدی نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ ٹھیکے دار کی غرض یہ ہونی چاہیے کہ حکومت کی جانب سے مقررہ معیار کے مطابق کام کرائے گا، ورنہ بدعہدی کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمین سے ہے اور بغیر رشوت حق نہ ملنا ظلم ہے لہٰذا دفع ظلم کے لیے رشوت دینا جائز ہے یہ دلیل پانچ علمائے کرام نے دی ہے۔

* **حکومت کی ملازمت کے لیے رشوت دینا:** اس میں بھی دو موقف ہیں:

پہلا موقف: عدم جواز کا ہے اگر چہ وہی شخص اپنی ذاتی صلاحیت کی بنا پر اس ملازمت کا مستحق ہو اور اس کا نام بھی آ چکا ہو اور اس کے مقابل کوئی دوسرا حقدار بھی نہ ہو۔ اس کے حاملین وہی چار حضرات ہیں جن کا موقف ٹھیکے کے تعلق سے بھی عدم جواز کا رہا ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یہ حقوق ثابتہ سے نہیں ہے اور اس کے لیے رشوت دینا اپنا کام بنانے کے لیے دینا ہے جو ناجائز ہے۔ رد المحتار میں ہے:

ولم أر حكم ما إذا تعين [القضاء على شخص] ولم يولّ إلّا بمال، هل يجوز بذله؟ ... وينبغي أن يحل بذله للمال كما حل طلبه. بحر. قال في النهر: هذا ظاهر في صحة توليته، وإطلاق المصنف يعني قوله "لو أخذ القضاء بالرشوة لا يصير قاضيًا" يرده ... قلت: و أيضا حيث تعين عليه يخرج عن عهدة الوجوب بالسوال ... فبأي وجه يحل له دفع الرشوة". (رد المحتار ۸/ ۴۰، ۴۱، کتاب القضاء مقالہ مولانا محمود علی مشاہدی)

دوسرا موقف: جواز کا ہے جو باقی علمائے کرام کا ہے ان میں بعض نے اس تجویز کو مطلق رکھا ہے جب کہ بعض نے اس شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ جسے رشوت دینا ہے وہی اس عہدے کے لائق ہو اس کے مقابل کوئی اور نہ ہو، پھر یہاں پر بھی کچھ حضرات نے جلب نفع بلا اضرار غیر کو دلیل بنایا ہے جب کہ کچھ علما نے اسے حقوق مسلمین سے مان کر دفع ظلم کو دلیل قرار دیا ہے۔

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی لکھتے ہیں: "یوں ہی حکومت کی ملازمت حاصل کرنا بھی ہمارا حق ہے اگر چہ یہ ثابت و لازم حق نہیں لیکن اس میں مسلم کے لیے جلب منفعت ہے بلکہ بعض صورتوں میں دفع حاجت بھی، ایسی صورت میں بے رشوت دیے ملازمت کا نہ ملنا بھی ظلم و ضرر کے خانے میں آتا ہے۔"

مولانا محمد ہارون مصباحی لکھتے ہیں:

البتہ اگر کوئی ایسا شخص ہے جو اہل بھی ہے اور ناظم مدرسہ اس کی تقرری کے لیے راضی بھی ہے اور کوئی دوسرا اہل شخص نہیں ہے لیکن ناظم نے رشوت کی شرط لگا دی ہے اور وہ شخص جانتا ہے کہ اگر میں نے رشوت نہ دی تو یہ کسی نا اہل کی

تقرری کرلے گا تو ایسی صورت حال میں مدرسے کے مستقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے اسے رشوت دینے کی اجازت ہونی چاہیے اور یہ دینا اس کے حق میں رشوت نہ ہونا چاہیے اگر چہ لینے والے کے حق میں وہ اب بھی رشوت ہی ہے"۔(مقالہ مولانا محمد ہارون ص۵)

مفتی ابرار احمد اعظمی لکھتے ہیں: یوں ہی حکومت نے ملازمت کا جو معیار مقرر کر رکھا ہے، اگر سند لیاقت وغیرہ کے اعتبار سے حصول ملازمت کی تگ و دو کرنے والا اس کی مکمل اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے اور وہ ملازمت شرعی نقطۂ نظر سے جائز بھی ہے پھر بھی حصول ملازمت کے لیے رشوت دیے بغیر کام نہیں چلتا تو جلب منفعت کی اس صورت میں بھی رشوت دینے والے کو معصیت کار نہ ہونا چاہیے۔

ایسے ہی جلب منفعت کی وہ تمام صورتیں جو ابطال حق اور کسی ناجائز و باطل امر کو مستلزم نہ ہوں تو ان تمام صورتوں میں رشوت دینے کے تعلق سے عامۂ مسلمین کو مرتکب معصیت نہ قرار دیا جانا چاہیے کہ ابطال حق اور احقاق باطل سے خالی جلب منفعت کی تمام صورتوں میں پہلوے جواز مترشح ہے۔(مقالہ مفتی ابرار احمد اعظمی ص۵)

اسی طرح **گاڑیوں کے پرمٹ حاصل کرنے کے لیے رشوت دینے** کے حکم میں بھی دو موقف ہیں، البتہ اس میں عدم جواز کے قائلین صرف مولانا رفیق عالم مصباحی اور مولانا محمود علی مشاہدی ہیں ان حضرات کی دلیل وہی ہے کہ یہ حق ثابت نہیں ہے۔

اور جواز کے قائلین نے بھی وہی دفع ظلم، جلب منفعت بلا اضرار غیر اور دفع حرج و مشقت کو دلیل بنایا ہے —— مولانا محمد عارف اللہ فیضی رقم طراز ہیں:

ہماری ذکر کردہ اس مختصر تفصیل سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ حکومت سے جائز ٹھیکے لینا، حکومت کی ملازمت حاصل کرنا، سرکاری عمارتوں کی تعمیر اور ان کی مرمت کی منظوری حاصل کرنا، **بسوں اور دیگر گاڑیوں کے لیے پرمٹ حاصل کرنا** اور تنخواہ برآمد کرنا وغیرہ۔ یہ سب کام مسلمانوں کے بھی حقوق ہیں اور سرکاری حکام کا انھیں بے معاوضہ ان حقوق سے محروم کرنا ظلم و ناانصافی ہے اس لیے اس ظلم و ناانصافی کو دفع کرنے کے لیے ناچار و بادل ناخواستہ رشوت دینا پڑے تو وہ رشوت دینے والے کے لیے حلال اور لینے والے کے لیے حرام ہوگی"۔

مولانا محمد ناظم علی رضوی ابتداے تلخیص میں ذکر کی گئی شرح سیر کبیر کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس سے ایک ضابطہ حاصل ہوا کہ رشوت دینا اس وقت حرام ہے جب کہ اس سے مقصود کسی کو ضرر میں ڈالنا ہو لیکن اگر خود اپنے اوپر سے ظلم دفع کرنا مقصود ہو یا کسی کو ضرر میں ڈالے بغیر اپنے نفع کی تحصیل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، ظاہر ہے کہ حکومت کی ملازمت حاصل کرنے، حکومت سے ٹھیکے لینے سرکاری عمارتوں کی تعمیر اور ان کی مرمت کی منظوری حاصل کرنے، بسوں اور دیگر گاڑیوں کے لیے پرمٹ حاصل کرنے کا مقصود کسی پر ظلم کرنا یا کسی کو ضرر میں ڈالنا نہیں بلکہ اس سے مقصود اپنی حاجت کا دفع اور اپنی منفعت کی تحصیل ہے بلکہ دینی ضروری مصلحت کی تحصیل اور دفع فساد موہوم یا مظنون بہ ظن غالب ہے اپنی حاجت کا دفع اور اپنی منفعت کی تحصیل تو بالکل ظاہر ہے عیاں را چہ بیاں۔

رہی دینی ضروری مصلحت کی تحصیل تو اس سے معیشت کو فروغ دینا اور مالی حیثیت کو مضبوط کرنا ہے جو خود مضبوط نہ ہوگا وہ اپنے دین اور اس پر چلنے والوں کو کیا مضبوط کرے گا۔"

مسلم کمپنیوں کا اپنی مصنوعات کی فروختگی کا آرڈر لینے کے لیے حکام کو رشوت دینا:

اس میں بھی علما کا ایک طبقہ عدم جواز کا قائل ہے تو دوسرا بڑا طبقہ جواز کا۔ عدم جواز کے قائلین درج ذیل چار حضرات ہیں:

۱- مولانا اختر حسین فیضی -۲- مولانا محمود علی مشاہدی -۳- مفتی شہاب الدین اشرفی -۴- مولانا رفیق عالم مصباحی۔

اس میں اول الذکر دو حضرات کے نزدیک اس کے عدم جواز کی دلیل اس کام کا حقوق ثابتہ سے نہ ہونا ہے۔ جبکہ مفتی شہاب الدین اشرفی کے نزدیک اس کام کے لیے حاجت کا متحقق نہ ہونا ہے۔ اور مولانا رفیق عالم مصباحی نے اس کے عدم جواز کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے۔

البتہ انھوں نے اور مولانا محمود علی مشاہدی نے اس جیسے تمام امور کے لیے رشوت کے جواز کا حیلہ ضرور بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس کی ایک صورت یہ ہے کہ ان کاموں کے لیے کسی کو اجیر رکھ لیا جائے اور اس کی اجرت اتنی متعین کی جائے کہ جس سے ان کاموں پر ہونے والے اخراجات کو وہ اٹھا سکے۔ فتاوی عالم گیری میں ہے:

"والحيلة في حل الأخذ وحل الإعطا عند الكل أن يستاجره صاحب الحادثة يوما إلى الليل ليقوم بعمله بالمال الذي ير يد الدفع إليه فتصح الإجارة و يستحق الأجير الأجر، ثم المستاجر بالخيار إن شاء استعمله في هذا العمل وإن شاء استعمله في عمل آخر". (۳۳۱/۴)

مولانا محمود علی مشاہدی لکھتے ہیں:

"بسوں اور دیگر گاڑیوں کے لیے پرمٹ حاصل کرنے یا اس جیسے دوسرے کاموں کے لیے اگر کسی تیسرے کافر شخص کو اجارے پر رکھ لے کہ وہ متعین معاوضہ پر پرمٹ بنوادے تو جو معاوضہ ٹھہرا ہے اس کا لینا صحیح ہوگا۔

جواز کے قائلین نے حسب سابق یہاں بھی جلب منفعت بلا اضرار غیر، اور حق مسلم مان کر دفع ظلم کو دلیل بنایا ہے۔ مگر مولانا مبشر رضا ازہر مصباحی نے اس کے جواز کی دلیل خوف ہلاکت مال بتائی ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

رشوت کی چوتھی صورت میں رشوت کے جواز کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ رشوت نہ دینے سے جان یا مال پر خوف ہو، اس لیے جان یا مال کے ہلاک کا اندیشہ جہاں بھی ہوگا بلا شبہہ رشوت دینا جائز ہوگا، بعینہ یہی صورت اس مسلم فکٹری میں بھی پیش آتی ہے کہ حکومت ہند کے حکام کو رشوت نہ دی جائے تو جو مال کمپنی تیار کرتی ہیں وہ مال جوں کا توں پڑا رہے گا جس سے مسلمان کا بڑا خسارہ ہوگا اور اگر حکام کو رشوت دے دی جائے تو مال بآسانی بک جائے گا، جس سے مال ضائع بھی نہیں ہوگا اور مسلمان کا خسارہ بھی نہیں ہوگا، اس لیے ایسی صورت میں رشوت دینا جائز ہوگا۔

لیکن کمپنی والے کبھی حکام کو رشوت اس لیے بھی دیتے ہیں کہ مال کی خرید وفروخت خلاف قانون وضابطہ ہوتی ہے، اگر رشوت نہ دی جائے تو بیع وشرا میں رکاوٹ پیدا ہوگی مثلا یہ کہ مال دوسرے ممالک جاتا ہے، یا قانونی اعتبار سے اس مال کا بیچنا منع ہے، تو ایسی صورت میں رشوت دینا جائز نہیں ہوگا کیوں کہ خلاف قانون بیع وشرا کرنا عزت وآبرو کو خطرے میں ڈالنا ہے جو مقاصد شرع کے خلاف ہے اور یہ ناجائز ہے۔

مولانا محمد سلیمان مصباحی لکھتے ہیں:

"مسلم کمپنیاں جو مال تیار کرتی ہیں اور وہ مال حکومت سے فروخت کرنا چاہتی ہیں اور حکام بغیر رشوت لیے خریداری کا آرڈر نہیں دیتے اور نہ ہی بل پاس کرتے ہیں، ایسی مسلم کمپنیوں کے لیے بھی رشوت دینے کا جواز ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ حکومت سے خرید وفروخت لاکھوں اور کروڑوں میں ہوتی ہے جس سے مسلم کمپنیوں کو بہت زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے اور اس نفع کے مقابلے میں حکام کو دی گئی رشوت بہت معمولی ہوتی ہے۔"

یہاں چار مقالہ نگار حضرات نے ضرورت پڑنے پر **دینی امور** کے لیے بھی رشوت دینے کی اباحت رقم فرمائی ہے۔

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی رقم طراز ہیں:

"اگر کوئی دینی کام رشوت نہ دینے کی وجہ سے خراب ہو رہا ہو یا کسی بڑے نقصان کا پیش خیمہ ہو تو ایسی صورت میں کچھ دے کر اس نقصان سے نجات حاصل کرنا درست ہے۔ مسجد کی تحویل کا روپیہ رشوت میں صرف کیے جانے کی بابت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ سے سوال ہوا تو آپ نے (فتاویٰ رضویہ ۱۶/۵۷۴ میں) ارشاد فرمایا:

اگر نہ اپنے صرف میں لایا نہ اور کوئی تصرف بے جا کیا، کسی معاملہ میں مسجد کو ضرر شدید پہنچتا تھا اور بے کچھ دیے لیے کسی طرح نجات نہ تھی یوں صرف کیا تو مسجد کا اس پر کچھ الزام نہیں"۔

یہاں ایک گوشہ رہ گیا تھا کہ تمام کتب فقہ میں یہ مصرح ہے کہ **منصب قضا حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا، اسی طرح قاضی کو حق فیصلہ بھی کروانے کے لیے رشوت دینا حرام ہے** تو کیا ہندوستان کے اندر بھی جج کا منصب حاصل کرنے کے لیے یا یہاں کے رشوت خور ججوں کو اپنے موافق حق فیصلہ کے لیے رشوت دینا ناجائز ہوگا؟ اس گوشے کی طرف مولانا محمد عارف اللہ فیضی نے توجہ فرمائی ہے اور اس کا جواب بایں الفاظ دیا ہے:

تنبیہ: صاحب فتح القدیر نے جس قاضی شرع کے لیے رشوت لینے اور اسے رشوت دینے کو حرام قرار دیا ہے اس پر آج کل کے ججوں کو قیاس نہ کیا جائے کیوں کہ اس قاضی سے ان کے نزدیک "دینی شرعی قاضی" مراد ہے جس کا مسلمان ہونا لازم ہونے کے ساتھ عہدۂ قضا پر اس کا تقرر کرنے والے بادشاہ یا والی کا بھی مسلمان ہونا لازم تھا اور جس کا فرض منصبی دینی شرعی امور میں مطابق شریعت فیصلے صادر کرنا تھا اور اسلام میں قضا بالحق (حق فیصلہ کرنا) دولت ایمان سے سرفراز ہونے کے بعد، قوی ترین فرائض اور سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والی عبادتوں میں سے ایک ہے اور عبادت نام ہے "عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورے طور پر اخلاص کے ساتھ کرنے کا"۔ اس لیے علما نے فرمایا کہ قاضی کا کسی مقدمہ میں رشوت لینا اور کسی کا اسے رشوت دینا دونوں حرام وناجائز ہیں کیوں کہ اس طرح رشوت لے کر فیصلہ کرنے کا مطلب ہے اپنے اوپر فرض کی جانے والی عبادت کا معاوضہ لینا جو جائز نہیں تو اس کا معاوضہ دینا بھی جائز نہیں۔

اور آج کل بھارت اور دوسرے ممالک میں ججوں کا تقرر دنیوی امور ومعاملات سے متعلق فیصلے صادر کرنے کے لیے ہوتا ہے جن کے لیے شریعت نے مسلمان ہونے کی شرط نہیں رکھی نہ ان کا تقرر کرنے والے کا مسلمان ہونا ہی ضروری قرار دیا۔ اس لیے ان کا حال دوسرے سرکاری ملازمین وحکام کی طرح ہے۔

لہٰذا اگر جج کا منصب حاصل کرنے کے لیے رشوت ناگزیر ہو تو مجبورا دینا جائز مگر حاکم مجاز کا رشوت لینا اب بھی ناجائز ہوگا۔ اسی طرح کوئی جج رشوت لے کر ہی فیصلہ کرتا ہو تو اپنے جائز حق کی تحصیل کے لیے مجبورا رشوت دینا جائز ہوگا مگر اس کا لینا ناجائز رہے گا۔

(مقالہ مولانا عارف اللہ فیضی، ص ۲،۳)

یہ تھا مقالات کا خلاصہ اور اب درج ذیل امور تنقیح طلب ہیں۔

تنقیح طلب امور

(۱)- ہمارے فقہا نے کن کن صورتوں میں کچھ دے کر کام کرانے کی اجازت دی ہے؟

(۲)- آج کے حالات کے پیش نظر کوئی ایسی صورت پائی جاتی ہے جس پر عمل کر کے عوام گناہ سے بچ سکتے ہیں، یا اور کوئی اباحت وجواز کی صورت ہے؟ ☆☆☆☆☆

فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع سرمایے کی زکاۃ

مولانا نفیس احمد مصباحی

مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے اکیسویں فقہی سیمینار کے لیے جن پانچ موضوعات کا انتخاب ہوا اُن میں سے ایک موضوع ہے: ”فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع سرمایے کی زکاۃ“ اس موضوع سے متعلق اٹھارہ علماے کرام و مفتیانِ عظام نے گراں قدر مقالات اور رائیں بھیج کر مجلس شرعی کا علمی تعاون فرمایا۔ اس موضوع سے متعلق بیش تر مقالات مختصر اور جامع ہیں، اور بعض متوسّط، ان کے صفحات کی مجموعی تعداد ۳۶ ہے۔ سوال نامہ ناظم مجلس شرعی سراج الفقہاء حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلّہ نے تیار فرمایا ہے، جس میں اختصار و جامعیت کے ساتھ ”فارن کرنسی اکاؤنٹ“ کا تعارف کچھ اس طرح کرایا ہے:

فارن کرنسی اکاؤنٹ: اس اکاؤنٹ کی مختصراً تفصیل یہ ہے:

اس کا مکمل حساب و کتاب چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ (CHARTERED ACCOUNTANT) سے بنوا کر اس کے دستخط اور مہر کے بعد دہلی وزارتِ داخلہ (HOME MINISTERY) میں بھیجا جاتا ہے، فارن کے لوگ مدرسہ کے اسی اکاؤنٹ میں رقوم بھیجتے ہیں اور حساب کو شفاف رکھنے کے لیے حکومت یہ چاہتی ہے کہ اس رقم سے جو کچھ بھی خریداری کرنی ہو وہ بذریعۂ چیک کی جائے یعنی اکاؤنٹ سے روپے نکالے بغیر اس کا چیک بائع کو دے دیا جائے۔ ہاں اگر کسی کو وظیفہ یا نقد اجرت دینی ہو تو کیش نکال کر دے سکتے ہیں۔ مگر اس کے لیے پہلے ان سے درخواست لیں گے پھر کمیٹی منظور کرے گی۔

یہ ممکن نہیں کہ رقم نکال کر حیلۂ شرعیہ کر کے فارن اکاؤنٹ میں جمع کر دیں کیوں کہ وہاں سے صرف رقم نکالی جا سکتی ہے، اس میں جمع نہیں کی جا سکتی۔“

پھر درج ذیل سوال مندوبین کرام سے کیا ہے:

”فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع شدہ رقم، زکاۃ و صدقۂ فطر کی ہو تو کیا چیک کا حیلہ شرعی ہو سکتا ہے؟ یا کوئی اور آسان صورت ہے جسے اختیار کر کے بھیجنے والوں کی طرف سے زکاۃ ادا کر دی جائے؟“

● چیک کا حیلۂ شرعی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ●

اس سوال کے تعلّق سے مندوبین کرام کی تین رائیں ہیں:

پہلی رائے: مفتی محمد شہاب الدین اشرفی، جامع اشرف، کچھوچھا شریف کی ہے وہ فرماتے ہیں:

”زکاۃ کی ادائگی کے لیے ضروری ہے کہ زکاۃ کا مال مستحقِ زکاۃ کو اس طرح سونپ دے کہ زکاۃ کے مال سے صاحبِ نصاب کا قبضہ اور مالِ زکاۃ سے اس کی منفعت بالکلیہ ختم ہو جائے اور مستحق زکاۃ اس مال میں تصَرف کرنے پر قادر ہو جائے، اسی طرح زکاۃ کا مال وصول کرنے والے کو سونپ دینے سے بھی وہ ادا ہو جائے گی، یوں ہی مستحقِ زکاۃ کے نائب کو سونپنے سے بھی وہ ادا ہو جائے گی۔“

پھر آپ نے فتاوی عالم گیری، فتاوی ولوالجیہ اور بدائع الصنائع کی عبارتوں سے اپنا مدّعا ثابت کرنے کے بعد لکھا ہے:

”جب دوسرے ممالک کے لوگ کسی مدرسے کے نام فارن کرنسی اکاؤنٹ میں زکاۃ کی رقم جمع کر دیتے ہیں تو وہ رقم اس مدرسے کے ذمہ دار کے قبضے میں اس طرح آجاتی ہے کہ اُس صاحبِ نصاب کی ملکیت، اس کا قبضہ اور اس مال سے اس کی منفعت بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے اور مدرسے کا ذمہ دار اس رقم سے مستحقِ زکاۃ طالب علم کی کفالت کرنے، اس کے اخراجات پورے کرنے اور دہلی کی وزارتِ داخلہ میں درخواست دے کر رقم نکال کر مستحقِ زکاۃ طالب علم کو وہ رقم دینے پر قادر ہو جاتا ہے۔... اور مستحقِ زکاۃ طالب علم کی طرف سے مدرسے کے ذمہ دار کو دلالۃً قبضہ کرنے کی اجازت حاصل ہوتی ہے، تو مستحقِ زکاۃ طلبہ کی اجازت سے وہ ذمہ دار اس کے اخراجات پورا کرنے میں وہ رقم صرف کر سکتا ہے۔“ (ملخصًا، ص:۱، ۲)

اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ صاحبِ نصاب کے فارن کرنسی اکاؤنٹ میں مال زکاۃ جمع کرنے اور ذمہ دار مدرسہ کے اس پر قبضہ کر لینے سے زکاۃ ادا ہو جائے گی، اس کے لیے کسی حیلہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

دوسری رائے: قاضی فضل رسول مصباحی، مہراج گنج کی ہے۔ آپ چند حیلے تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر یہ سب حیلے ممکن نہ ہوں تو خود چیک کا حیلہ کر لیا جائے۔ کیوں کہ یہ صورت ضرورت و حاجت کی ہے جواز قبیلِ مستثنیات ہے، ساتھ ہی چیک روپے کے مشابہ اور اس کے قائم مقام ہے، اور مقامِ عجز میں مماثلت و مشابہت حقیقت کے قائم مقام ہوتی ہے۔

ان کی دلیل ہدایہ کا یہ جزئیہ ہے:

رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

و عن أبي يوسف أنّه إذا وقف في مكان لو كان بصيرًا لراٰه و قال: قد رضيت سقط خياره؛ لأنّ التشبيه يقام مُقام الحقيقة في موضع العجز كتحريك الشفتين يقام مُقام القراءة في حق الأخرس في الصلاة، و إجراء الموسى مقام الحلق في حق من لا شعر له في الحج. (هدایه آخرین، ص: ۳۸)

تیسری رائے: یہ ہے کہ چیک کا حیلۂ شرعی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ وہ وثیقۂ مال اور سند زر ہے، مال متقوم نہیں ہے، جیسا کہ مجلس شرعی کے ایک سیمینار میں ”چیک کی خرید وفروخت“ کے موضوع کے تحت اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

یہ رائے اکثر مقالہ نگاروں کی ہے۔ جب کہ ایک مقالہ نگار نے تحریر فرمایا کہ ”چیک کا حیلہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق کوئی جزئیہ نہ مل سکا۔ لعلّ الله يُحدِث بعد ذلك أمرًا۔“

باقی مقالہ نگاروں نے صراحت کے ساتھ تو یہ نہیں لکھا کہ چیک کی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کا حیلۂ شرعی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مگر جو حیلے بیان کیے ہیں ان سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی چیک مال متقوم نہیں، بلکہ اس کی حیثیت وثیقۂ مال اور سندِ زر کی ہے، اس لیے اس کا حیلۂ شرعی نہیں کیا جا سکتا۔

● ادائگی زکاۃ کے شرعی حیلے ●

سوال کا دوسرا جز یہ تھا کہ اگر چیک کا حیلہ نہیں ہو سکتا تو فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع شدہ زکاۃ وصدقۂ فطر کی رقم کے حیلۂ شرعی کی کیا صورت ہے جسے اختیار کر کے بھیجنے والوں کی طرف سے زکاۃ ادا کر دی جائے؟

اس سوال کے جواب میں علماے کرام نے مختلف حل تحریر فرمائے ہیں، کسی نے ایک حل تحریر کیا ہے، کسی نے دو، کسی نے تین، کسی نے چار اور کسی نے پانچ تک صورتیں لکھی ہیں۔

مفتی محمد شہاب الدین اشرفی، مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، مفتی ابرار احمد اعظمی، اور مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی نے صرف ایک ایک حل لکھا ہے جب کہ مفتی محمد معراج القادری، مولانا عبد الغفار اعظمی، مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی، مفتی محمود علی مشاہدی، مولانا محمد سلیمان مصباحی اور مولانا محمد عارف اللہ مصباحی نے دو دو، مولانا محمد اختر کمال قادری، مولانا محمد ہارون مصباحی، قاضی فضل احمد مصباحی، اور مولانا محمد مسیح احمد قادری مصباحی نے تین تین، مولانا دست گیر عالم مصباحی، اور مولانا محمد اشرف مصباحی نے چار چار اور قاضی فضلِ رسول مصباحی نے پانچ حل تحریر کیے ہیں۔ ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

پہلا حل: ادارے کے ذمہ دار کسی اور فنڈ سے رقم لے کر فارن کرنسی اکاؤنٹ میں پیسہ بھیجنے والے کی طرف سے زکاۃ کا حیلہ کرا لیں، زکاۃ ادا ہو جائے گی، اب فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جو رقم جمع ہے اُسے ادارے کے کسی بھی مد میں استعمال کر سکتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ادارے کے ذمہ دار کی حیثیت وکیل زکاۃ کی ہے اور وکیل زکاۃ کو یہ اختیار ہے کہ زکاۃ کے لیے جو رقم دی گئی ہے بعینہ وہ رقم نہ دے کر کسی اور رقم سے زکاۃ ادا کر دے۔

● ردالمحتار میں ہے:

الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهمَ الموكّلِ و دفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم الموكل صحّ، بخلاف ما إذا أنفقها أوّلًا على نفسه مثلًا، ثمّ دفع من ماله فهو متبرّع. (ج: ۲، ص: ۲۹۳، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً، دار الفكر)

بہار شریعت میں ہے:

زکاۃ دینے والے نے وکیل کو زکاۃ کا روپیہ دیا، وکیل نے اسے رکھ لیا، اور اپنا روپیہ زکاۃ میں دے دیا تو یہ جائز ہے اگر یہ نیت ہو کہ اس کے عوض موکّل کا روپیہ لے لے گا۔ (ج:۵، ص:۲۰)

دوسرا حل: فارن کرنسی اکاؤنٹ میں روپیہ بھیجنے والا ادارے کے ناظم، سربراہ یا کسی اور ذمہ دار سے کہہ دے کہ میں اتنا روپیہ زکاۃ وصدقۂ فطر کے مد میں بھیج رہا ہوں، پھر ادارے کا ذمہ دار اپنی خاص رقم سے یا کسی سے قرض لے کر اس کا حیلۂ شرعی کرا لے۔ اور فارن کرنسی اکاؤنٹ سے وہ روپیہ حاصل کر لے، اور اگر اس کے یا قرض دہندہ کے پاس اتنی رقم موجود نہ ہو تو جتنی ہو اسی کا بار بار حیلۂ شرعی کرا لے، یہاں تک کہ وہ بھیجی گئی رقم کے برابر ہو جائے۔

اس کا ثبوت بھی ردّالمحتار اور بہار شریعت کی مذکورہ بالا عبارتوں کے ساتھ درج ذیل فقہی جزئیات وعبارات سے پیش کیا گیا ہے:

● در مختار میں ہے:

”و لو تصدّق بدراهمِ نفسِه أجزأ إن كان على نية الرجوع، و كان دراهم المؤكّل قائمةً“.

اسی کے تحت ردّالمحتار میں ہے:

فيه إشارة إلى أنّه لا يشترط الدفع من عين مال الزكاة، و لذا لو أمر غيره بالدفع عنه جاز. (ج: ۲، ص: ۲۹۲، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء)

● البحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے:

و لم يشترط أيضًا الدفع من عين مال الزكاة لِمَا قدّمناه من أنّه لو أمر إنسانًا بالدفع عنه أجزأه، لكن اختلف فيما إذا دفع من مالٍ آخر خبيث، و ظاهر القنية ترجيح الإجزاء استدلالًا بقولهم: مسلم له خمر فوكّل ذميا فباعها من ذمي فللمسلم أن يصرف هذا الثمن إلى الفقراء عن زكاة ماله. (كتاب الزكاة، ج: ۲، ص: ۳۷۰، ۳۷۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

تیسرا حل: یہ ہے کہ مدرسے کے لیے ضرورت کا سامان بذریعۂ چیک خرید لیں اور کسی مستحقِ زکاۃ کو اس سامان کا مالک بنا کر قبضہ دے دیں، پھر وہ شخص اپنی جانب سے وہ سامان مدرسے کے مصارف کے لیے نذر کر دے۔ اس طرح فارن کرنسی اکاؤنٹ میں رقم ارسال کرنے والے کی طرف سے زکاۃ بھی ادا ہو جائے گی اور وہ محتاج بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

بعض حضرات نے قبضہ دینے کی یہ صورت بھی لکھی ہے کہ ذمہ دارانِ مدرسہ چیک کے ذریعہ سامان کی خریداری کے بعد اُس سامان اور مستحقِ زکاۃ کے درمیان تخلیہ کر دیں کہ اگر وہ قبضہ کرنا چاہے تو کر سکے، قبضہ سے کوئی چیز مانع نہ ہو اور نہ ہی ان کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔ اور اِس کے ثبوت میں بہار شریعت کی یہ عبارت پیش کی ہے:

”بائع نے مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ کر دیا کہ اگر وہ قبضہ کرنا چاہے، کر سکے اور قبضے سے کوئی چیز مانع نہ ہو اور مبیع و مشتری کے درمیان کوئی شے حائل بھی نہ ہو تو مبیع پر قبضہ ہو گیا“۔ (بہار شریعت، ۱۱/ ۳۲)

یہ تینوں حل مختلف مقالہ نگاروں نے تحریر فرمائے ہیں۔

چوتھا حل: فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع رقم کے چیک کا مالک مکمل طور پر کسی مستحقِ زکاۃ طالب علم کو بنا دیا جائے کہ وہ اس چیک میں تصرّف کرنے اور اس سے خریداری کرنے پر مکمل طور پر قادر ہو جائے۔ اگرچہ اُس طالب علم کو فارن کرنسی اکاؤنٹ کے چیک کا مالک بنانا اس میں جمع رقم کا مالک بنانا نہیں ہے، لیکن جب وہ طالب علم مدرسہ کی کوئی کتاب اس چیک کے ذریعہ خرید لے گا اور کتاب پر قبضہ کر لے گا تو فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع رقم پر اس کا قبضہ کرنا ثابت ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ کتاب اس رقم کا عوض ہے جو فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع ہے، اور عوض پر قبضہ کرنا معوّض عنہ پر قبضہ کرنا ہے۔ (مقالہ مفتی محمد شہاب الدین اشرفی صاحب، ص:۲)

پانچواں حل: مدرسہ پہلے سامانوں کی خریداری کر لے، پھر دکان دار کو چیک دیتے وقت اسے اس بات پر راضی کر لے کہ ہم تمھیں یہ چیک ابھی اس لیے دے رہے ہیں کہ اس کے ذریعہ رقم نکال کر ہمیں دو، پھر اسی رقم سے حیلہ کے بعد تمھارے سامانوں کا دام ادا کر دیں گے اور جب دکان دار چیک کی رقم اکاؤنٹ سے نکال کر مدرسے کو دے دے تو مدرسہ سب سے پہلے اس کا حیلہ کرا لے، اس کے بعد وہی رقم دکان دار کو اس سامان کی قیمت کے طور پر دے دے۔ (مقالہ مولانا دست گیر عالم مصباحی، مولانا محمد ہارون مصباحی)

چھٹا حل: مستحقِ زکاۃ کو بطورِ زکاۃ چیک دے دیا جائے اور وہ اس چیک کو بھنا کر وہ رقم اپنی طرف سے مدرسے کو دے دے، مگر یہ اس صورت میں ہے کہ مذکورہ چیک بھنایا جا سکتا ہو۔

(مقالہ مولانا محمد مسیح احمد قادری مصباحی)

ساتواں حل: مدرسے کا ذمہ دار کسی عاقل، بالغ مستحق طالب علم کو کوئی کپڑا وغیرہ دکھا کر اس سے کہے کہ یہ کپڑا ہم تمھیں اِس چیز سے فروخت کریں گے اور یہ چیز ہم تمھیں دے دیں گے تاکہ تم اسے ہمارے مطالبے میں واپس کر دو۔ جب وہ راضِی ہو جائے تو اس سے بیع شرعی کر کے وہ چیز اسے دے دے، جب وہ قبضہ کر لے تو اس چیز کو اپنے مطالبے میں لے لے، اور اگر نہ دے تو زبردستی چھین لے، کیوں کہ وہ چیز اب اس پر دَین ہو گئی اور جب مالِ مدیون، دَین کی جنس سے ہو تو دائن کے لیے بالاتفاق اس کی رضامندی کے بغیر اسے لینا جائز ہے۔

اس صورت میں بہتر اور آسان تر یہ ہوگا کہ مثلاً ایک سو یا پانچ سو کے نوٹ کو مستحقِ زکاۃ کے ہاتھ زکاۃ کی رقم سے خرید کردہ چیز کے بدلے فروخت کیا جائے اور پھر مذکورہ بالا طریقہ اپنایا جائے۔

(مقالہ مولانا محمد عارف اللہ مصباحی، و مولانا عبد الغفار اعظمی)

آٹھواں حل: مدرسے کے منتظمین کو چاہیے کہ درخواست دے کر حکّام سے وظیفہ کے لیے منظوری حاصل کر لیں اور بینک سے رقم نکال لیں، پھر اس کا حیلہ کریں۔ (مقالہ مولانا محمد سلیمان مصباحی) اسی سے ملتا جلتا حل قاضِی فضل رسول مصباحی نے بھی پیش کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وظیفہ یا اجرت، کیش کی صورت میں دے سکتے ہیں، تو یہ ممکن ہے کہ اس طرح کی ساری رقمیں اساتذہ کی تنخواہوں میں دی جائیں اور خریداری کے لیے دیگر چندوں کی رقموں کو محفوظ کر لیا جائے، اور جب اساتذہ کی تنخواہوں کے نام پر یہ رقوم نکلیں تو ان کا حیلۂ شرعی کرا لیا جائے۔ یہ گو کہ بہت آسان نہیں، تاہم بہت مشکل بھی نہیں“۔

نواں حل: یہ رقم اجرت کے نام پر فارن کرنسی اکاؤنٹ سے نکال لی جائے، پھر مدرسے کے دوسرے کھاتے میں جمع کرنے سے پہلے تملیکِ فقیر کے ساتھ حیلۂ شرعی کیا جائے، پھر وہ رقم دوسرے کھاتے میں جمع کر دی جائے۔ اس طرح فارن کرنسی اکاؤنٹ کی شفافیت بھی برقرار رہے گی اور حیلۂ شرعی کا کام بھی بخوبی پورا ہو جائے گا۔ (مقالہ مولانا قاضِی فضل رسول مصباحی)

دسواں حل: یہ ہے کہ فارن کرنسی اکاؤنٹ میں رقم بھیجنے والے خود ہی یا کسی جان کار شخص کے توسط سے کسی فقیر کے ذریعے اس کا حیلۂ شرعی کرا لیں، پھر اسے مدرسے کے اکاؤنٹ میں ڈالیں۔ (مقالہ قاضِی فضل رسول مصباحی، مولانا محمد اختر کمال قادری، مفتی محمود علی مشاہدی، مولانا اختر حسین فیضی، قاضِی فضل احمد مصباحی، مولانا دست گیر عالم مصباحی)

اس حل کے تعلّق سے مولانا کمال اختر مصباحی صاحب فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قوی اندیشہ ہے کہ ادارے کی آمدنی کم ہو جائے۔

یہ تھا اس موضوع سے متعلق مقالات و آرا کا ایک جائزہ۔ اب اس کی روشنی میں درج ذیل گوشے تنقیح طلب معلوم ہوتے ہیں:

تنقیح طلب گوشے

(۱)- کیا کسی صورت میں چیک کے ذریعے حیلۂ شرعی ہو سکتا ہے؟ اور اس سے زکاۃ دہندہ کی زکاۃ ادا ہو جائے گی؟

(۲)- اگر جواب نفی میں ہو تو مذکورہ بالا دس طریقوں میں سے آسان اور قابلِ عمل طریقوں کی وضاحت فرمائیں۔ ☆☆

اکیسواں فقہی سیمینار

عصر حاضر کے اہم اور ضروری مسائل کے فیصلے

از: مفتی محمد نظام الدین رضوی

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا اکیسواں فقہی سیمینار شہر علم پونہ، مہاراشٹر کی سرزمین پر توفیق الٰہی کے سایے میں کامیابیوں کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، جتنے مسائل زیر بحث آسکے سب میں فقہاے مندوبین نے بحمدہٖ تعالیٰ انشراح صدر کے ساتھ ایک حکم شرعی پر اتفاق کیا جو فیصلے کے عنوان سے آپ کے پیش نظر ہے۔

اس سیمینار کی یہ خصوصیت ہے کہ بحثوں کا دور شروع ہوتے ہی چھوٹے، بڑے سب ایک صف میں آجاتے ہیں سب کو کسی کی بھی راے کے خلاف بولنے کی آزادی ہوتی ہے اور صرف دلیل کی بنیاد پر ہی کوئی راے قابل ترجیح ہوتی ہے۔

سراج الأمۃ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرات خلفاے راشدین اور دوسرے فقہاے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی سنت کی پیروی میں جدید مسائل کے حل اور تدوین فقہ کے لیے اپنے ماہر تلامذہ کی جو عظیم الشان مجلس فقہ تشکیل دی تھی مجلس شرعی الحمد للہ اسی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتی ہے، اس مجلس میں بحث کے لیے باری باری ایک ایک مسئلہ پیش کیا جاتا تھا اور اخیر میں جس امر پر سب کا اتفاق ہو جاتا اسے فقہی صحیفے میں درج کر لیا جاتا اور اگر کافی بحث وتمحیص کے بعد بھی کسی ایک قول پر سب کا اتفاق نہ ہو پاتا تو اختلاف کے ساتھ ان کے اقوال نوٹ کر لیے جاتے۔ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وضع مسائل میں تنہا اپنی راے کو اپنے طور پر فوقیت نہ دی۔ عارف باللہ امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاوی سراجیہ کے حوالے سے یہ انکشاف فرمایا ہے۔ عبارت یہ ہے:

"قد اتّفق لأبي حنيفة من الأصحاب ما لم يتّفق لغيره وقد وضع مذهبهٗ شوریٰ و لم يستبد بوضع المسائل و إنّما كان يلقيها على أصحابه مسألةً مسألةً فيعرف ما كان عندهم و يقول ما عنده و يناظرهم حتّى يستقرّ أحد القولين، فيُثبِته أبو يوسف حتّى أثبت الأصول كلّها و قد أدرك بفهمه ما عجزت عنه أصحاب القرائح. اهـ."

ترجمہ:- "امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو تلامذہ ملے وہ دوسرے ائمہ کو نہ مل سکے، آپ نے ان کے مشورے سے اپنا مذہب وضع کیا اور تنہا اپنی راے سے مسائل مذہب نہیں وضع کیے، آپ اپنے تلامذہ کے سامنے ایک ایک مسئلہ رکھتے پھر اس کے بارے میں ان کی راے معلوم کرتے اور اپنی راے بھی انھیں بتا دیتے اور اظہار حق کے لیے ان کے ساتھ مناظرہ فرماتے یہاں تک کہ سب کی راے دو قولوں کے بجاے ایک قول پر جم جاتی۔ تب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے فقہی صحیفے میں درج فرما لیتے یہاں تک کہ تمام بنیادی مسائل کو درج فرما لیا اور خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی فہم سے ان باریکیوں کو پا لیا جو دوسرے ارباب فہم و دانش نہ پا سکے۔" (میزان الشریعۃ الکبری ج ۱، ص ۷۲)

مجلس شرعی کے سیمینار اسی نہج پر چل رہے ہیں اور خداے کریم جب تک چاہے اسی طور پر چلتے رہیں گے۔ زیر نظر فیصلے اسی "نہج حسن" پر کیے گئے مذاکرات و مناقشات کا عطر تحقیق ہیں۔

پہلی نشست

۱۵ر صفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۹ر دسمبر ۲۰۱۳ء۔ جمعرات، صبح

موضوع: بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کا حکم

خلاصۂ فیصلہ

بلڈ بینک قائم کرنا اور اس میں انسانی خون جمع کرنا جائز ہے تاکہ وقت حاجت انسانی جان کی حفاظت ہو سکے اور حرج و مشقت کا سامنا نہ ہو۔

اس موضوع سے متعلق چار سوالات تنقیح طلب تھے جو بحمدہ تعالیٰ پہلی نشست ہی میں باتفاق راے حل ہو گئے۔ یہ سوالات مع حل درج ذیل ہیں:

ناظم مجلس شرعی وصدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

پہلا سوال یہ تھا کہ کیا محظور شرعی کی اباحت کے لیے حاجت یا ضرورت کا فی الحال تحقق ضروری ہے؟

اس سوال پر بحث کا آغاز ہوا اور بہت سے مندوبین نے یہ رائے پیش کی کہ تخفیف احکام کے لیے ضرر یا مشقت کا ''فی الحال وجود و تحقق'' ضروری نہیں، بلکہ آئندہ زمانے میں تحقق کا ظن غالب و اندیشۂ صحیح بھی تخفیف احکام میں مؤثر ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''و منها المرض ، المريض إذا خاف على نفسه التلف، أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع و إن خاف زيادة العلة فكذلك عندنا و عليه القضاء إذا أفطر كذا في المحيط''. اھ.

(الفتاوى الهنديه، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر موجودہ وقت میں مریض کی نہ تو جان جا رہی ہو اور نہ ہی اس کا عضو بیکار ہوا ہو لیکن آنے والے زمانے میں جان جانے یا عضو کے بیکار ہونے کا اندیشۂ صحیح ہو تو آئندہ پیش آنے والی ضرورت کے گمان غالب کا لحاظ کرتے ہوئے اسلامی شریعت افطار کی اجازت دیتی ہے۔

شرح وقایہ میں ہے:

''التيمُّم لمحدث و جنب و حائض لم يقدروا على الماء لمرض ... أو عطش. أي إن استعمل خاف العطش. أو أبيح الماء للشرب حتى إذا وجد المسافر في جُبّ معدّ للشرب جاز له التيمم''. (شرح الوقاية ص ٩٨، ج ١، باب التيمّم، مجلس البركات)

اس کے تحت عمدۃ الرعایہ میں ہے:

أشارَ به إلى أنّه ليس المبيح وجود العطشِ فقط، بل إذا خافَ العطشَ إن توضّأ بالماءِ يجوزُ له التيمّم سواءً عرضَ له العطش أم لا، سواءً خافه على نفسه أو على رفيقه أعمّ من أن يكون مخالطاً له، أو آخرَ ممّن معه في القافلة، أو على كلبِه أو كلبِ رفيقِه إذا كان مباحَ الاقتناءِ ككلبِ الصيد. كذا في الدر المختار.

(عمدة الرعاية باب التيمم ص ٩٨، مجلس البركات)

درج بالا عبارت میں صراحت ہے کہ اباحت تیمّم کے لیے فی الحال پیاس کا وجود ضروری نہیں ہے بلکہ مستقبل میں پیاس کا خوف ہو پھر بھی ابھی سے تیمّم کی اجازت ہوگی۔

ضرورت کے معنی حقیقی پر غور و خوض کے بعد یہ واضح ہوا کہ ضرورت ''ضرر'' سے ماخوذ ہے اور ضرورت کا مطلب ہے خوفِ ضرر۔ اس لیے اگر مستقبل میں ضرر کے لاحق ہونے کا اندیشۂ صحیح ہو تو اس اندیشے کے وقت ہی ضرورت کا تحقق ہو گیا نہ یہ کہ ضرورت کا تحقق اس وقت ہوگا جب ضرر لاحق ہو جائے۔ اس لیے حاجت یا ضرورت کے تحقق سے پہلے کوئی بھی محظور شرعی مباح نہ ہوگا۔ اس پر تمام مندوبین کرام کا اتفاق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا تخفیف احکام کے لیے ضرورت یا حاجت کے تحقق کا ظن غالب کافی ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں تمام مندوبین کا اس پر اتفاق ہوا کہ تخفیف احکام کے لیے تو ضرورت یا حاجت کا درج بالا تشریح کے مطابق فوری طور پر متحقق ہونا ضروری ہے۔ اور جیسا کہ ابھی گزرا ضرر و حرج کے مستقبل میں پائے جانے کا کم از کم ظن غالب محظور شرعی کے مباح ہونے کے لیے ضروری ہے۔

فتاوی ہندیہ شرح وقایہ اور عمدۃ الرعایہ کی مذکورہ بالا عبارتوں میں ''خوف'' سے اندیشۂ صحیح اور ظن غالب ہی مراد ہے۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ کیا آج کے زمانے میں بلڈ بینک قائم کرنے کی شرعی حاجت یا ضرورت متحقق ہے؟

اس کے جواب میں غور و خوض کے بعد جملہ مندوبین کرام کے اتفاق سے یہ طے پایا کہ بڑے اسپتالوں میں جہاں کثرت سے خون کے حاجت مند مریض ایڈمیٹ ہوتے ہیں انسانی جان بچانے یا اسے مشقت اور پریشانی سے نجات دلانے کے لیے بلڈ بینک کی تقریباً ہر وقت ایک عمومی حاجت پائی جاتی ہے۔ اگر ان میں بلڈ بینک نہ ہو تو کتنے ہی مریض بر وقت خون نہ ملنے کی وجہ سے دم توڑ دیں گے، یا سخت مشقت و دشواری سے دوچار ہوں گے۔

پہلے کسی انسان سے لیا ہوا خون اپنے تمام اجزا کے ساتھ مکمل طور پر دوسرے انسان کے بدن میں چڑھا دیا جاتا تھا، اور اب جدید تحقیق کے مطابق اس کے اجزا الگ الگ کر کے علاحدہ علاحدہ پیکٹ میں محفوظ کر لیے جاتے ہیں، اور جس مریض کو خون کے جس جزکی ضرورت ہوتی ہے، اُسے وہی جز چڑھایا جاتا ہے۔ یہ طریقۂ کار اس لیے اختیار کیا گیا تاکہ ایک ہی خون سے کئی مریضوں کا بھلا ہو سکے اور ان اجزا کے الگ الگ ہو جانے سے طبّی نقطۂ نظر سے مریض کو کوئی ضرر اور نقصان نہیں ہوتا۔

اس زمانے میں خون لینے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا جاتا ہے، نہ ہر شخص کا خون لیا جاتا ہے، نہ ہر طرح کا خون لیا جاتا ہے، بلکہ صرف صحت مند آدمی کا صحت مند خون ہی لیا جاتا ہے، اس لیے خون لینے سے

پہلے اور اس کے بعد ان امور کا لحاظ کیا جاتا ہے جو طبّی نقطۂ نظر سے ضروری ہیں۔

یوں ہی خون لینے کے بعد اسے مختلف مراحل سے گزارا جاتا ہے:

(۱)-اس میں ایک خاص قسم کی دوا شامل کی جاتی ہے جو اسے جمنے سے بچائے اور سیّال رکھے۔

(۲)- پھر اس کے اجزا کو الگ الگ کیا جاتا ہے اور جن اجزا کو محفوظ رکھنا ہوتا ہے، انھیں پیک کر دیا جاتا ہے۔

(۳)-مختلف انسانوں کے خون مختلف گروپ کے ہوتے ہیں، اس لیے اب جانچ کرکے یہ متعیّن کیا جاتا ہے کہ ملنے والا خون کس گروپ کا ہے۔

(۴)-اور جب یہ خون مریض کے بدن میں چڑھانا ہو تو اس میں اور مریض کے خون میں ”کراس میچ“ کرتے ہیں یعنی مریض اور مُعطِی دونوں کا خون باہم ملا کر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کوئی ری ایکشن تو نہیں ہو رہا ہے، اگر نتیجہ مثبت ہوتا ہے تو وہ خون مریض کے بدن میں چڑھایا جاتا ہے۔

ان تمام شرائط و قیود کا لحاظ کرتے ہوئے انسانی خون کی فراہمی کس درجہ مشکل ہے اس کا اندازہ درج ذیل تفصیلات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

(الف) جس وقت خون کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت جلدی کوئی خون دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ کئی کئی آدمی مریض کی ہم دردی میں اس کے ساتھ موجود ہوتے ہیں، مگر عموماً اس کی دُکھ بھری زندگی میں کوئی اسے اپنے خون کا سہارا دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

(ب) اب خون بیچنے والے بھی کم ہی مل پاتے ہیں۔

(ج) اگر کوئی خون دینے یا بیچنے کے لیے تیار ہو بھی گیا تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ عمر خون دینے کی ہے یا نہیں؟

(د) عمر کی شرط بھی پوری ہو جائے تو اس بات پر نظر رکھی جاتی ہے کہ اس کے جسم میں خون وافر مقدار میں موجود ہے یا نہیں۔

(ہ) خون اگر وافر مقدار میں موجود ہو تو اس کے خون کی جانچ کرکے یہ پتا لگایا جاتا ہے کہ اس میں ایڈز، پیلیا، شوگر، ٹائیفائڈ، ملیریا، سِفلِس وغیرہ کوئی بیماری تو نہیں۔

(و) جب وہ خون ہر طرح کی بیماری سے پاک اور مقررہ طبّی معیار پر پورا اترتا ہے تب اس کے گروپ کی جانچ کرکے دیکھا جاتا ہے کہ دونوں خون کا گروپ ایک ہی ہے یا مختلف۔

(ز) اگر گروپ بھی مل گیا تو اسے مختلف اجزا میں تقسیم کیا جاتا ہے اور مریض کو خون کے جس جز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کے بدن میں چڑھا دیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ مریض خون کی کمی کی وجہ سے جاں بلب ہو، یا سخت کلفتوں اور مشقتوں سے دوچار ہو اس وقت اِن امور کی پابندی کے ساتھ صالح خون کی فراہمی میں لمبی تاخیر مریض کے لیے بہت بڑا آزار ہے۔ خون کے حاجت مند مریض ایسے وقت بھی آجاتے ہیں جب ان کے خون کا گروپ نہیں ملتا، یا صحت بخش خون نہیں ملتا، ایسے میں اگر پہلے سے خون جمع نہ ہو تو ان کی جان بھی جا سکتی ہے، اس لیے بلڈ بینک قائم کرکے پہلے ہی سے صالح اور صحت مند خون کے پیکٹ محفوظ کرنا ایک عمومی حاجت ہے، تاکہ جب اس کے حاجت مند مریض آئیں تو فوراً انھیں مناسب طبّی امداد فراہم کی جا سکے اور مشقت و پریشانی سے نجات دلائی جا سکے۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اس وقت بلڈ بینک قائم کرنا عوامی ضرورت اور عمومی حاجت کے درجے میں ہے۔

اسی طرح اگر حالات کشت و خون کے ہوں یا اس طرح کے دوسرے حالات رونما ہو چکے ہوں، خواہ وہ بندوں کی جہت سے پیدا کیے گئے ہوں یا سماوی طور پر رونما ہو گئے ہوں جیسے عام آتش زنی، شدید اولہ باری، فرقہ ورانہ تصادم یا گروہی مڈبھیڑ وغیرہ تو ان حالات میں بھی حاجت پائی جاتی ہے۔

اور شریعت مطہرہ نے تخفیف احکام میں جس طرح ذاتی حاجت یا ضرورت کا لحاظ کیا ہے اسی طرح عامۃ الناس کی حاجت یا ضرورت کو ملحوظ رکھا ہے۔ فقہاے کرام نے جن مقامات پر ”دفعًا لحاجۃ الناس“ جیسی تعبیریں ذکر فرمائی ہیں وہاں اسی قسم کی عمومی حاجت مراد ہے۔ اس لیے آج کے دور میں بلڈ بینک قائم کرنے کی شرعی حاجت ضرور متحقق ہے۔

چوتھا سوال یہ تھا کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کا بلڈ بینک قائم کرنا اور اس میں اپنا خون جمع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں تمام مندوبین کرام کی متفقہ راے سے یہ فیصلہ ہوا کہ مسلمانوں کا موجودہ دور میں بلڈ بینک قائم کرنا اور اس میں اپنا خون جمع کرنا جائز ہے۔

بلڈ بینک کا قیام دو امور پر موقوف ہے:

اول مسلمانوں کا اپنے بدن سے خون نکلوانا۔

دوم اسے ایک خاص جگہ محفوظ کرنا۔

امر اوّل کا جواز بلکہ استحباب احادیث اور فقہ سے ثابت ہے۔

(عبارتیں آگے آرہی ہیں)

غور طلب صرف امر دوم ہے، یعنی خون نکلوانے کے بعد نجس ہونے کی وجہ سے اسے ضائع کرنا ضروری ہے یا کسی جائز و مفید کام کے لیے محفوظ کرنا بھی درست ہے۔

اس کے جواب میں یہ بتایا گیا کہ فقہاے کرام نے سرکہ بنانے کے لیے شراب بنانے یا محفوظ رکھنے کا جواز اور جلانے کے لیے اُپلا محفوظ رکھنے کا جواز صراحتًا بتایا ہے۔(عبارتیں آگے آرہی ہیں)

اور یہ مسئلہ اس سے قبل ایک سیمینار میں دلائل کے ساتھ طے ہو چکا ہے کہ ضرورت یا حاجت کے وقت مریض کے بدن میں خون چڑھانا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ خون چڑھانے سے پہلے اُسے جانچ کے مختلف مراحل سے گزارا جاتا ہے جس کی تفصیل سوال نامہ اور مقالات میں مذکور ہے۔ اگر خون پہلے سے جمع نہ ہو تو عین ضرورت کے وقت خون نکالنے اور جانچ کے مراحل سے گزارنے میں تاخیر کے سبب مریض کی ہلاکت یا سخت مشقت کا سامنا ہو سکتا ہے۔

یہ بات بھی شرعًا معلوم ہے کہ صرف اپنی ہی حاجت کا اعتبار نہیں، اپنے دوسرے بھائی کی حاجت کا اعتبار ہے۔ اور خون کی عمومی حاجت سے انکار نہیں ہو سکتا، اس لیے اس کے جواز میں کلام نہیں تو بلڈ بینک قائم کرنے کا جواز بھی ثابت ہے۔

مآخذ

(۱) خون نکالنے کا جواز و استحباب:

❁ ابو دواود شریف میں ہے: عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال، قال رسول الله ﷺ: من احتجم بسبع عشرة و تسع عشرة و إحدى و عشرين كان شفاءً من كلّ داءٍ.
(كتاب الطب ص ۵۳۹ مجلس البركات)

❁ ترمذی شریف میں ہے: عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه كان رسول الله ﷺ يحتجم في الأخدعين و الكاهل، و كان يحتجم لسبع عشرة و تسع عشرة و إحدى و عشرين.
(جامع الترمذي ج۲، ص ۲۵، باب في الحجامة، مجلس البركات)

❁ اسی میں ہے: قال رسول الله ﷺ نعم العبدُ الحجّام، يذهب بالدم، يخف الصلب، و يجلو عن البصر، و إن خير ما تحتجمون فيه يوم سبع عشرة و يوم تسع عشرة و يوم إحدى و عشرين. (عمدة القاري ج۲۱، ص ۲۴۰، شرح باب أي ساعة يحتجم)

❁ مشکوۃ شریف میں ہے: عن ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: حدث رسول الله ﷺ عن ليلة أسري به، أنه لم يمرّ على ملأ من الملائكة إلّا أمروه أن مُر أمّتك بالحجامة. رواه الترمذي و ابن ماجه. (مشكوٰة المصابيح ص ۳۸۹، كتاب الطب، مجلس البركات)

❁ اس حدیث کے تحت شیخ محقق علی الاطلاق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

"ظاہر آں است کہ مراد بحجامت خون کشیدن است، شاملِ فصد وغیرہ، چناں کہ در حدیث "الشفاء في ثلاث: شرطة محجم ..." معلوم شد۔ و بعضے شراح آں را مقابلِ فصد داشتہ وگفتہ کہ سببِ فضیلت حجامت آں است کہ حجامت خون را از نواحی جلد استخراج می کند۔ و مجموعِ اطباء قائل اند باں کہ در بلادِ گرم حجامت افضل است از فصد، زیرا کہ خونِ ایشاں رقیق است و پختہ، و بر سطحِ بدن می آید، و بحجامت بیروں آید نہ بفصد۔ و فصد اعماق بدن را نافع است و بلاد بارده مناسب، و ماناکہ بہ "امت" عرب مراد داشتہ اند کہ دراں وقت موجود از امت ایشاں بودند و یا مراد از "أمتك" قومك داشتہ۔ و طیبی گفتہ کہ وجہ در مبالغۂ ملائکہ در حجامت (ورائے آں چہ مشہور است درو ے از منافع بدنی) آں است کہ خون اصل قواے حیوانیہ است، و فتیکہ کمتر شود در بدن سست خواہد شود قواے نفسانیہ کہ مانع است از مکاشفاتِ غیبیہ" انتہی۔ و ایں وجہ افادۂ نفع اخراجِ دم کند مطلقًا۔ امّا آں چہ اول گفتیم افادہ بیان نفع حجامت کند بخصوصہا، فافہم۔
(اشعۃ اللمعات ج۳، ص ۶۰۸، ۶۰۹)

❁ فتاوی ہندیہ میں ہے: تستحبّ الحجامة لكل واحد، كذا في الظهيرية. (ج۵، ص ۳۵۵)

نیز اسی میں ہے: الحجامة بعد نصف الشهر يوم السبت حسنٌ نافع جدًّا" (أيضًا)

(۲) حرام یا نجس چیز کو جائز مقصد کے لیے محفوظ کرنے کا جواز:

❁ البریقۃ شرح الطریقۃ للعلامۃ القونوی میں ہے:
"لا بأس بإمساك الخمر للتخليل" (ص ۱۲۷)

❁ فتاوی عالمگیری، اور فتاوی خانیہ میں ہے:
لو أمسك الخمر للتخليل جاز و لا يأثم.
(فتاوی عالمگیری ۴ / ۱۲۰، خانیہ ۴ /۳۷۸)

❁ عیون المسائل للفقیہ ابی اللیث میں ہے: لا بأس أن يتخذه خمرًا إذا كان يريد أن يتخذه خلًّا. (ص ۱۷۹)

❁ بہار شریعت میں ہے:

"اُپلے جلا کر کھانا پکانا جائز ہے"۔ (حصہ سوم ص ۴۰۲)

دوسری، تیسری اور چوتھی نشست

۱۶،۱۵،۱۷ر صفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۹،۲۰ر دسمبر ۲۰۱۳ء۔

شب جمعہ، جمعہ وشب شنبہ

موضوع: جدید ایجادات میں قرآن کریم بھرنے اور اسے چھونے وغیرہ کے احکام

«خلاصۂ فیصلہ»

موبائل، سی ڈی، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، ٹیبلیٹ، آئی فون وغیرہ میں قرآن پاک کچھ خاص قسم کے نشانات وسوراخ کی شکل میں محفوظ ہوتا ہے اور وہی ان آلات سے سنا جاتا ہے یا اسکرین پر نظر آتا ہے تو وہ حقیقۃً قرآن ہی ہے۔

البتہ آلات کے جس حصّہ پر قرآن محفوظ ہوتا ہے اس پر پلاسٹک کا غلاف لگا ہوتا ہے اس لیے اسے بے وضو چھونا جائز ہے۔

یوں ہی یہ نشانات جس وقت اسکرین پر نظم عربی کی شکل میں نمایاں ہوں اس کے بالائی شیشے پر بلا وضو ہاتھ رکھنا جائز ہے کیوں کہ یہ شیشہ نظم عربی اور اسے نمایاں کرنے والے شیشے کے اوپر غلاف کی طرح ہوتا ہے ہاں! رعایت خلاف کے لیے مندوب یہ ہے کہ اسے بھی بے وضو نہ چھوئے۔

فلمی گانے اور تصاویر وغیرہ کے ساتھ قرآن پاک اَپ لوڈ کرنا بے ادبی ہے اس لیے اس سے بچیں اور جائز مقصد کے لیے میموری میں محفوظ قرآن کو ڈِلٹ (DELETE) کرنا جائز ہے، جنب اور بے وضو کے لیے قرآن کمپوز کرنا بھی جائز ہے۔

اس موضوع سے متعلق **پہلا مسئلہ** یہ زیر بحث آیا کہ موبائل، سی ڈی، کمپیوٹر، لیب ٹاپ، ٹیب لیٹ، آئی فون وغیرہ میں قرآن پاک کسی بھی شکل میں محفوظ ہو تو وہ قرآن ہے یا نہیں؟

اس سلسلے میں بعض علماے کرام کا موقف یہ تھا کہ جو محفوظ ہے وہ کلام الٰہی یعنی قرآن پاک نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن پاک خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ جیسا کہ آیات واحادیث سے ثابت ہے۔ اور ان آلات میں جو کچھ محفوظ ہوتا ہے وہ ان کی بائنری زبان یعنی 0، 1 کی شکل میں ہوتا ہے یہ بہت سے مصنفین واہل قلم نے کمپیوٹر کے تعارف میں لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کمپیوٹر میں 0، 1 کی شکل بنتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ 0، 1 نظم عربی نہیں ہے؛ اس لیے اسے قرآن نہیں کہا جاسکتا ہے۔

لیکن کمپیوٹر سائنس کے ماہرین سے تحقیق کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ ان آلات میں 0، 1 کی شکل محفوظ نہیں ہوتی ہے، بلکہ ہر قسم کی آواز اور کلمات کچھ خاص قسم کے نشانات یا سوراخ کی شکل میں محفوظ ہوتے ہیں، وہ سوراخ کچھ گہرے بڑے اور کچھ چھوٹے ہوتے ہیں جب مشین چالو کرتے ہیں تو ان سوراخوں سے لائٹ گزرتی ہے پھر محفوظ آواز اور کلمات نکلتے ہیں، اس میں چھوٹے سوراخ کی تعبیر 0 سے کی جاتی ہے، اور بڑے سوراخ کی تعبیر 1 سے کی جاتی ہے، ہم اپنی آنکھوں سے سوراخوں کی یہ کمی بیشی محسوس نہیں کرپاتے لیکن جب وہاں سے لائٹ گزارتے ہیں تو وہ احساس کرتی ہے۔

اس سے یہ امر منکشف ہوا کہ ان آلات میں محفوظ مواد کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو پہلے زمانے میں فونوگراف کی پلیٹوں میں محفوظ مواد کی ہوتی تھی جس طرح ان پلیٹوں میں قرآن کریم کی قراءت وغیرہ محفوظ کرنے پر کچھ خاص قسم کے نشانات بنتے تھے اور جب دوبارہ سنا جاتا تھا تو وہی قراءت بعینہ سنائی دیتی تھی، اسی طرح عصر حاضر میں ان آلات میں جب قرآن کریم بذریعۂ کتابت یا قراءت محفوظ کیا جاتا ہے تو کچھ خاص قسم کے نشانات اور سوراخ بنتے ہیں اور جب ہم اسے دیکھنا یا سننا چاہتے ہیں تو بالکل وہی دیکھتے یا سنتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے جو کچھ ان آلات میں محفوظ کیا ہے وہی ان میں محفوظ ہے اس لیے اس امر پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ اِن جدید آلات میں قرآن پاک جس شکل میں بھی محفوظ ہوتا ہے وہ حقیقت میں کلام الٰہی یعنی قرآن پاک ہے، اس کی مثال حافظ کے سینے میں یا فونو میں محفوظ قرآن حکیم کی ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اپنے رسالہ الکشف شافیا میں فرماتے ہیں:

"ہمارے ائمۂ سلف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عقیدۂ حقہ صادقہ میں یہ چاروں نحو (وجود فی الاعیان، وجود فی الاذھان، وجود فی العبارۃ، وجود فی الکتابۃ) قرآن عظیم کے حقیقی مواطنِ وجود و تحقیقی مجالیِ شہود ہیں، وہی قرآن کہ صفت قدیمۂ حضرت عزت عزّوجلّ اور اس کی ذات پاک سے ازلًا ابدًا قائم و مستحیل الانفکاک و لا ھو و لا غیرہ، لا خالق و لا مخلوق ہے یقینًا وہی ہماری زبانوں سے متلو، ہمارے کانوں سے مسموع، ہمارے اوراق میں

مکتوب، ہمارے سینوں میں محفوظ ہے۔ و الحمد للہ رب العلمین نہ یہ کہ یہ کوئی اور جداشے قرآن پر دال ہے۔ نہیں نہیں، یہ سب اسی کی تجلیاں ہیں، ان میں حقیقتاً وہی متجلی ہے ... اور ظاہر کہ اس بارے میں سب کسوتیں یکساں ہیں، جس طرح کاغذ کی رقوم میں وہی قرآن کریم مرقوم ہے اسی طرح فونو میں جب کسی قاری کی قراءت بھری گئی اور اشکال حرفیہ کہ ہوائے دہن پھر ہوائے مجاور میں بنی تھیں اس آلہ میں مرتسم ہوئیں ان میں بھی وہی کلام عظیم مرسوم ہے اور جس طرح زبان قاری سے جو ادا ہوا قرآن ہی تھا یوں ہی اب جو اس آلہ سے ادا ہوگا قرآن ہی ہوگا، جس طرح اس آلہ سے اگر حضرت شیخ سعدی قدس سرہ کی کوئی غزل ادا کی جائے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہ غزل نہیں ہے یا حضرت شیخ سعدی قدس سرہ کا کلام نہیں، یوں ہی جب اس سے کوئی آیۂ کریمہ ادا کریں کوئی شبہہ نہیں کر سکتا کہ وہ آیت ادا نہ ہوئی، ضرور ادا ہوئی اور اسی تأدیہ سے ہوئی جو اصل قاری کی زبان و گلو سے پیدا ہوا تھا۔" (الکشف شافیاحکم فونو جرافیا) واللہ تعالیٰ أعلم.

دوسرا مسئلہ یہ زیر بحث آیا کہ میموری کارڈ، سی ڈی، ڈی وی ڈی یا کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک وغیرہ میں قرآن پاک محفوظ ہو تو اس صورت میں ان آلات کو بلا حائل، بے وضو چھونا جائز ہے یا ناجائز؟

اس سلسلے میں غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ ان آلات کے جس حصے میں قرآن پاک محفوظ ہوتا ہے وہ ناقابل مس ہوتا ہے؛ کیوں کہ اس کے اوپر پلاسٹک کا غلاف لگا ہوتا ہے اور اس غلاف کے ساتھ ہی ان کا استعمال ہوتا ہے؛ لہٰذا اُن آلات کو بے وضو چھونا جائز ہے کہ یہ حقیقت میں قرآن کا چھونا نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسرا مسئلہ یہ زیر بحث آیا کہ قرآن پاک کمپیوٹر یا موبائل وغیرہ جدید آلات کی اسکرین پر شکلِ مرسوم میں نمایاں ہو تو اس صورت میں خود ان آلات یا ان کی اسکرین کو بلا حائل، بے وضو چھونا کیسا ہے؟

اس سلسلے میں باتفاق رائے یہ طے پایا کہ اس صورت میں خود ان آلات یا اُن کی اسکرین کو بلا حائل، بے وضو چھونا جائز ہے، اس لیے کہ ان جدید آلات کی اسکرین سے متصل ایک شیشہ ہوتا ہے جو مواد کے ظاہر کرنے میں معاون ہوتا ہے، اور اس کے اوپر ایک دوسرا شیشہ ہوتا ہے جو اسکرین کی حفاظت کے لیے لگایا جاتا ہے اور یہ اوپر والا شیشہ اصل اسکرین سے جدا ہوتا ہے اور مواد کو ظاہر کرنے میں اس کا کوئی دخل بھی نہیں ہوتا، اس لیے یہ غلاف و جزدان کے درجے میں ہے اور غلاف یا جزدان کے ساتھ قرآن کریم چھونا جائز ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "لایجوز للجنب والمحدث مس المصحف (إلا بغلافه المنفصل) أي كالجراب والخريطة دون المتصل كالجلد المشرز هو الصحيح، وعليه الفتوى؛ لأن الجلد تبع له". (کتاب الطہارۃ ج، ص ۴۲۳)

اور غلاف کے تعلق سے عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

(وَغِلَافُهُ مَا كَانَ مُتَجَافِيًا عَنْهُ) أَيْ مُتَبَاعِدًا بِأَنْ يَكُونَ شَيْئًا ثَالِثًا بَيْنَ الْمَاسِّ وَالْمَمْسُوسِ، وَلَا يَكُونُ مُتَّصِلًا بِهِ كَالْجِلْدِ الْمُشَرَّزِ فَيَنْبَغِي أَلَّا يَكُونَ تَابِعًا لِلْمَاسِّ كَالْكُمِّ وَلَا لِلْمَمْسُوسِ كَالْجِلْدِ الْمُشَرَّزِ. قَالَ صَاحِبُ التُّحْفَةِ: اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِي الْغِلَافِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ الْجِلْدُ الَّذِي عَلَيْهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ الْكُمُّ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ الْخَرِيطَةُ، وَهُوَ الصَّحِيحُ؛ لِأَنَّ الْجِلْدَ تَبَعٌ لِلْمُصْحَفِ وَالْكُمَّ تَبَعٌ لِلْحَامِلِ وَالْخَرِيطَةَ لَيْسَتْ بِتَبَعٍ لِأَحَدِهِمَا.

(العناية شرح الهداية، باب الحيض والاستحاضة)

یہ اصل حکم ہے، لیکن تقاضائے ادب بلکہ رعایتِ خلاف کے پیشِ نظر مندوب یہ ہے کہ اسے بھی بے وضو نہ چھوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چوتھا مسئلہ یہ زیر بحث آیا کہ ان جدید آلات کی میموری میں غزلیات، فلمی گانے، لطائف، طنز و مزاح کے مکالمے، ناٹک اور جان دار کی تصاویر وغیرہ لوڈ ہوں تو ان میں قرآن پاک یا اس کی بعض سورتوں کی تحمیل جائز ہے، یا خلافِ ادب ہونے کی وجہ سے ممنوع و ناجائز ہے؟

اس سلسلے میں یہ طے پایا کہ اس صورت میں قرآن پاک کی تحمیل (اپ لوڈ کرنا) بے ادبی ہے؛ لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔

اس کی نظیر فونوگراف کی پلیٹوں کے ایک حصّہ پر قرآن مقدس اور دوسرے حصّہ پر گانے باجے وغیرہ بھرنے کا مسئلہ ہے جس کے تعلق سے فقیہ اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

اور اگر بھرنے والوں نے ایک ہی رکاٹ کے ایک پہلو پر کچھ آیات یا اشعارِ حمد و نعت اور دوسرے پر کچھ خرافات بھری ہیں تو یہ بے ادبی و جمع ضدّین ان کا فعل ہے۔ الخ۔ (الکشف شافیا مشمولہ فتاوی رضویہ جلد ۹ ص... رضا اکیڈمی) واللہ تعالیٰ اعلم۔

پانچواں مسئلہ یہ سامنے آیا کہ ان جدید آلات میں قرآن پاک لوڈ

ہوتواس کا حذف (ڈیلٹ DELETE) جائز ہے یا نہیں؟

اس مسئلے میں مندوبین کرام کا اس امر پر اتفاق ہوا کہ جائز مقصد کے لیے ان جدید آلات سے قرآن کریم کا حذف (ڈِلیٹ کرنا) جائز ہے۔ مثلاً کوئی چیز لوڈ کرنی ہے اور اس آلہ میں گنجائش نہیں ہے تو قرآن پاک حذف کرکے دوسری جائز چیز لوڈ کی جاسکتی ہے۔

اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

✪ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وَلَوْ محَا لَوْحًا كُتِبَ فِيهِ الْقُرْآنُ وَاسْتَعْمَلَهُ فِي أَمْرِ الدُّنْيَا يَجُوزُ. (ج٥، ص٣٢٢)

✪ البحر الرائق میں ہے: مَحَا لَوْحًا يَكْتُبُ فِيهِ الْقُرْآنَ وَاسْتَعْمَلَهُ فِي أَمْرِ الدُّنْيَا يَجُوزُ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، باب الحيض) [۱] واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھٹا مسئلہ یہ سامنے آیا کہ جنب اور بے وضو کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا کیسا ہے؟

اس کے جواب میں تمام علماے کرام کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ دونوں کے لیے قرآن حکیم کمپوز کرنا جائز ہے؛ اس لیے کہ ان جدید آلات میں کمپوزر کا کام صرف بٹن دبا کر اشارہ کرنا ہوتا ہے، اور اصل کتابت یہ آلات خود کرتے ہیں، اور کمپوزر کی انگلی براہ راست کی بورڈ (KeyBoard) سے مس ہوتی ہے اور اس پر ایسی کوئی چیز نہیں لکھی ہوتی ہے جس کو چھونے کے لیے وضو کی ضرورت ہو۔ دوسرے یہ کہ کمپوزنگ ایک ایک حرف کی ہوتی ہے اور وہ قرآن نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ کمپوز کرنے میں آیات قرآنیہ پر ہاتھ نہیں پڑتا اور نہ ہی مکتوب کو چھونے کا کوئی معاملہ ہوتا ہے۔

اس مسئلے پر درج ذیل جزئیات سے روشنی پڑتی ہے:

✪ الاشباہ والنظائر میں ہے: إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر. (القاعدة التاسعة عشرة)

✪ جوہرہ نیرہ میں ہے:

وَهَلْ يَجُوزُ لِلْجُنُبِ كِتَابَةُ الْقُرْآنِ، قَالَ فِي مُنْيَةِ الْمُصَلِّي: لَا يَجُوزُ. وَفِي الْخُجَنْدِيِّ: يُكْرَهُ لِلْجُنُبِ وَ الْحَائِضِ كِتَابَةُ الْقُرْآنِ إِذَا كَانَ مُبَاشِرَ اللَّوْحِ وَالْبَيَاضِ وَإِنْ وَضَعَهُمَا عَلَى الْأَرْضِ وَكَتَبَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى الْمَكْتُوبِ لَا بَأْسَ بِهِ. (الجوهرة النيرة)

✪ حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی میں ہے: وأما كتابة القرآن فلا بأس بها إذا كانت الصحيفة على الأرض عند أبي يوسف لأنه ليس بحامل للصحيفة وكره ذلك محمد وبه أخذ مشايخ بخارى. قال الكمال: وقول أبي يوسف أقيس؛ لأن الصحيفة إذا كانت على الأرض كان مسها بالقلم وهو واسطة منفصلة فصار كثوب منفصل إلا أن يكون يمسه بيده. (حاشية الطحاوى على المراقى)

✪ بدائع الصنائع میں ہے: وَلَوْ كَانَتِ الصَّحِيفَةُ عَلَى الْأَرْضِ فَأَرَادَ الْجُنُبُ أَنْ يَكْتُبَ الْقُرْآنَ عَلَيْهَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا بَأْسَ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحَامِلٍ لِلصَّحِيفَةِ، وَالْكِتَابَةُ تُوجَدُ حَرْفًا حَرْفًا. وَهَذَا لَيْسَ بِقُرْآنٍ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ لَا يَكْتُبَ، لِأَنَّ كِتَابَةَ الْحُرُوفِ تَجْرِي مَجْرَى الْقِرَاءَةِ. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الطهارة، فصل الغسل)

✪ درمختار میں ہے: (و) لا تكره (كتابة القرآن والصحيفة أو اللوح على الأرض عند الثاني) خلافا لمحمد، وينبغي أن يقال: إن وضع على الصحيفة ما يحول بينها وبين يده يؤخذ بقول الثاني وإلا فبقول الثالث. قاله الحلبي.

✪ اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

(قَوْلُهُ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) حَيْثُ قَالَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ لَا يَكْتُبَ؛ لِأَنَّهُ فِي حُكْمِ الْمَاسِّ لِلْقُرْآنِ حِلْيَةٌ عَنِ الْمُحِيطِ. قَالَ فِي الْفَتْحِ: وَالْأَوَّلُ أَقْيَسُ؛ لِأَنَّهُ فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ مَاسٌّ بِالْقَلَمِ وَهُوَ وَاسِطَةٌ مُنْفَصِلَةٌ فَكَانَ كَثَوْبٍ مُنْفَصِلٍ إِلَّا أَنْ يَمَسَّهُ بِيَدِهِ.

(قَوْلُهُ: وَ يَنْبَغِي إِلَخْ) يُؤْخَذُ هَذَا مِمَّا ذَكَرْنَاهُ عَنِ الْفَتْحِ، وَوَفَّقَ بَيْنَ الْقَوْلَيْنِ بِمَا يَرْفَعُ الْخِلَافَ مِنْ أَصْلِهِ بِحَمْلِ قَوْلِ الثَّانِي عَلَى الْكَرَاهَةِ التَّحْرِيمِيَّةِ، وَقَوْلِ الثَّالِثِ عَلَى التَّنْزِيهِيَّةِ بِدَلِيلِ قَوْلِهِ أَحَبُّ إِلَيَّ إِلَخْ.

(قَوْلُهُ: عَلَى الصَّحِيفَةِ) قَيَّدَ بِهَا؛ لِأَنَّ نَحْوَ اللَّوْحِ لَا يُعْطَى حُكْمُ الصَّحِيفَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَحْرُمُ إِلَّا مَسُّ الْمَكْتُوبِ مِنْهُ.

(كتاب الطهارة، ج١، ص٢٨٤)

یہ حکم قرآن کریم کو چھوے بغیر اس کی کمپوزنگ کا ہے، مگر عام

(۱) لوح کے حروف مستبین و مرسوم ہیں یعنی نمایاں اور عادت کے مطابق، پھر عموماً یہ حروف مٹانے سے جھڑتے ہیں جب کہ میموری کے حروف نہ مستبین ہیں، نہ مرسوم، بلکہ خاص قسم کے چھوٹے، بڑے سوراخ و نشانات ہیں اور یہ محو کرنے سے جھڑتے بھی نہیں جس سے بے ادبی کا اندیشہ ہو۔ لہٰذا جب لوح کے حروف محو کرنا جائز ہے تو میموری کے مخصوص نشانات محو کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ محمد نظام غفرلہ

طور پر کمپوزر مصحف یا اوراق مصحف یا مقالات سے دیکھ کر کمپوز کرتے ہیں اگر اس طرح کمپوزنگ میں مصحف یا ورق مصحف یا مضمون میں درج آیت سے ان کا ہاتھ مس ہو تو اس کے لیے طہارت اور وضو ضروری ہے کہ جنب و بے وضو کے لیے بلا حائل اسے چھونا جائز نہیں۔ اسی طرح کچھ کمپوزر زبان سے ایک ایک جملہ پڑھ پڑھ کر کمپوز کرتے ہیں اگرچہ وہ جملہ آیت قرآن ہی ہو، حالت جنابت میں یہ بھی ناجائز ہے اس لیے اس سے بھی احتراز واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پانچویں نشست

۱۷ر صفر ۱۴۳۵ھ/۲۱ر دسمبر ۲۰۱۳ء سنیچر۔ صبح

موضوع :

رشوت سے آلودہ ماحول میں حقوق العباد کی حفاظت

خلاصۂ فیصلہ

دوسرے کا حق دبانے کے لیے حاکم وغیرہ کو جو مال دیا جائے رشوت ہے یوں ہی اپنا کام بنانے کے لیے کچھ مال دیا جائے اور اس سے کسی ظلم یا ضرر کو دور کرنا مقصود نہ ہو وہ بھی رشوت ہے اور اگر اپنا کام بنانے کے ساتھ کسی ظلم و ضرر کو دور کرنا بھی مقصود ہو تو ایسا مال دینے والے کے حق میں رشوت نہیں کہ یہ ظلم و ضرر سے بچنے کے لیے مجبور ہے مگر لینے والے کے حق میں اب بھی وہ رشوت ہے۔

اور جو مال رشوت ہے اسے دینا بھی حرام و گناہ ہے اور لینا بھی حرام و گناہ ہے۔

اور اگر اپنا کام بنانے کے لیے کسی آدمی کا سہارا لینا پڑے تو اسے اجیر مقرر کر کے اس کے کام کی طے شدہ اجرت دے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے رشوت لینا دینا حرام و گناہ ہے۔ اور اس پر احادیث کریمہ میں سخت وعیدیں وارد ہیں۔ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

الراشي والمرتشي في النار. (أخرجه الطبراني في الصغير ۱/ ۵۷، رقم ۵۸. وفي الأوسط ۲/ ۲۹۵، رقم ۲۰۲۶)

ترمذی شریف میں ہے: لعن الله الراشي والمرتشي في الحكم.

(ج: ۱، ص: ۱۵۹ - باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم)

قانونی اعتبار سے بھی یہ جرم ہے مگر اس کی قباحت و شناعت اور حرمت کے باوجود حکومت کے محکموں میں چھوٹے بڑے کاموں کے لیے رشوت کی گرم بازاری ہے۔ حکومت کے کارندے عموماً رشوت لیے بغیر کام نہیں کرتے، اگر رشوت نہ دی جائے تو بہت سے دینی، ملی، معاشرتی، اقتصادی، سماجی اور تعلیمی کام سرد خانے میں پڑے رہ جاتے ہیں۔ اس صورت حال سے دوچار افراد نے دار الافتا کی طرف رجوع کیا، تو یہ مسئلہ مجلس شرعی کے اکیسویں فقہی سیمینار میں زیر بحث لایا گیا۔

اس موضوع پر **پہلا سوال** یہ ہوا کہ رشوت کی تعریف کیا ہے؟

اس کے جواب میں مندوبین کا اس پر اتفاق ہوا کہ فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرّہ نے جو تعریف کی ہے وہ جامع ہے۔ وہ تعریف فتاوی رضویہ میں یوں ہے:

جو پرایا حق دبانے کے لیے دیا جائے رشوت ہے۔ یوں ہی جو اپنا کام بنانے کے لیے حاکم کو دیا جائے رشوت ہے، لیکن اپنے اوپر سے دفع ظلم کے لیے جو کچھ دیا جائے دینے والے کے حق میں رشوت نہیں، یہ دے سکتا ہے لینے والے کے حق میں وہ بھی رشوت ہے اور اسے لینا حرام۔ (فتاوی رضویہ جلد نہم نصف آخر ص: ۳۰۰)

اسی سے ملتی جلتی تعریف علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار میں کی ہے:

الرشوة بالكسر: ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره ليحكم له أو يحمله على ما يريد. اهـ. (رد المحتار ج: ۸، ص: ۳۴)

کتاب التعریفات میں ہے:

الرشوة: ما يعطي لإبطال حق أو لإحقاق باطل.

(ص: ۱۱۱، مرقاة المفاتيح ج: ۷، ص: ۲۴۸)

فتح القدیر میں ہے:

الرشوة أربعة أقسام: منها ما هو حرام على الآخذ والمعطي وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة، ثم لا يصير قاضيا. الثاني ارتشاء القاضي ليحكم وهو كذلك حرام من الجانبين، ثم لا ينفذ قضاؤه في تلك الواقعة التي ارتشى فيها سواء كان بحق أو بباطل. أمّا في الحق فلأنه واجب عليه فلا يحل أخذ المال عليه. وأمّا في الباطل فأظهر. الثالث: أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعًا للضرر أو جلبًا للنفع وهو حرام على الآخذ لا الدافع. والرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه وماله حلال للدافع حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب.

(ملخصا، ج: ۷، ص ۲۳۷، ۲۳۶، برکات رضا)

سوال: ہمارے فقہا نے کن کن صورتوں میں کچھ دے کر کام کرانے کی اجازت دی ہے؟

جواب: جو حقوق، حقوق مؤکدہ سے ہوں جیسے ملازم کی تنخواہ وغیرہ اگر یہ حقوق بغیر کچھ دیے نہ ملتے ہوں، تو دینے کی اجازت ہے کہ یہ دینا دفع ظلم وضرر کے لیے ہے مگر لینا بہر حال حرام وگناہ ہے۔ اسی طرح ہمارے استحقاق کی بنا پر جو حقوق بذمہ حکام ہیں، جیسے ملازمت حاصل کرنے کے لیے امتحان اور انٹرویو میں کامیابی کے بعد ملازمت کا استحقاق، اگر استحقاق کے باوجود حاکم بغیر کچھ لیے ملازمت نہیں دیتا تو یہ مستحق کے ساتھ زیادتی ہے، جس کو دور کرنے کے لیے کچھ دینا جائز ہوگا۔

رد المحتار میں ہے: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه و ماله، و لاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع. (ج:٥،ص:٢٧٢، كتاب الحظر والإباحة)

فتح القدیر میں ہے:

الثالث: أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعًا للضرر أو جلبًا للنفع و هو حرام على الآخذ لا الدافع.

(فتح القدير ج ٧، ص ٢٣٦، بركات رضا)

محیط برہانی میں ہے:

واعلم أنّ الرشوة أنواع:

نوع منها أن يهدي الرجل إلى الرجل مالًا لإبقاء التودد و التحبب و هذا النوع حلال من جانب المهدي و المهدى إليه، قال عليه السلام: "تهادوا تحابوا".

و نوع منها أن يهدي الرجل إلى رجل مالا؛ لأنّ ذلك الرجل قد خوفه فيهدي إليه مالا ليدفع الخوف عن نفسه أو يهدي إلى السلطان مالًا ليدفع ظلمه عن نفسه أو ماله و هذا نوع لا يحل للآخذ الأخذ و إذا أخذ يدخل تحت الوعيد المذكور في هذا الباب؛ لأنه يأخذ المال للكف عن التخويف والظلم و الكف عن التخويف والظلم واجب بحكم الإسلام ولا يحل أخذ المال بمقابلة الواجب و هل يحل للمعطي الإعطاء؛ عامة المشايخ على أنه يحل؛ لأنه يجعل ماله وقاية لنفسه أو يجعل بعض ماله وقاية للباقي وكل ذلك جائز وموافق للشرع.

و نوع منها أن يهدي الرجل إلى الرجل مالا ليسوي أمره فيما بينه و بين السلطان و يعينه في حاجته و أنه على وجهين.

الأول أن تكون حاجته حرامًا وفي هذا الوجه لا يحل للمعطي الإهداء ولا للمهدى إليه الأخذ؛ لأنّ المهدي يعطي ليتوصل به إلى الحرام و المهدى إليه يأخذ ليعينه على الحرام.

الثاني أن تكون حاجته مباحًا، و أنه على وجهين.

الأوّل أن يشترط أنّه أنما يهدي إليه ليعينه عند السلطان و في هذا الوجه لا يحل للآخذ الأخذ؛ لأن القيام بمعونة المسلمين واجب بدون المال فهذا مما أخذ لإقامة ما هو واجب عليه فلا يحل و هل يحل للمعطي الإعطاء تكلموا فيه منهم من قال لا يحل؛ لأنّ هذا تمكين من القبض الذي هو حرام. و منهم من قال يحل؛ لأن غرضه دفع الظلم عن نفسه، و على قياس قول الخصاف يجب أن يكون حل الإعطاء معلقًا بالرجاء على ما بيّنّا. (ج: ٨، ص: ٤٥٤) والله تعالى أعلم.

سوال: آج کے حالات کے پیش نظر کوئی ایسی صورت پائی جاتی ہے جس پر عمل کرکے عوام گناہ سے بچ سکتے ہیں، یا کوئی اباحت و جواز کی صورت ہے؟

جواب: اس امر پر اتفاق ہوا کہ امام ابن الہمام علیہ الرحمۃ والرضوان نے کچھ دینے کی جو تیسری اور چوتھی قسم بیان فرمائی ہے وہ صورت جواز ہے، وہ دینے والے کے حق میں رشوت نہیں البتہ لینے والے کے حق میں بہر حال رشوت ہے اور حرام۔ جیسے اس سے دوچار ہونے والے شخص کا حاکم کے ضرر سے بچنے کے لیے درمیانی شخص کو مال لینا یا ایسی منفعت کی تحصیل کے لیے دینا جس میں دفع مضرت کا پہلو بھی ہو یا جان و مال سے دفع خوف کے لیے دینا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جواز کا ایک حیلہ:

جو شخص حاکم کے یہاں جاکر کسی حاجت مند کا کام کراتا ہے اسے جائز طور پر حق المحنت مل جائے تو رشوت سے بچ سکتا ہے، اس کا حیلہ یہ ہے کہ حاجت مند کسی مناسب شخص کو کام کرانے کے لیے مقررہ اجرت پر اجیر کرلے پھر وہ شخص حاکم کے یہاں جاکر اس کا کام کرادے اس طرح اجرت کی شکل میں حق المحنت دینا لینا جائز ہے اور اس کا رشوت سے کوئی علاقہ نہیں۔

فتح القدیر میں ہے: و حيلة حلها للآخذ أن يستأجره يومًا إلى الليل أو يومين فتصير منافعه مملوكة ثم يستعمله في الذهاب إلى السلطان للأمر الفلاني. (ج:٧،ص:٢٣٧)

فتاوی امجدیہ میں ہے:

زید کا جو کام ملازمت میں داخل نہیں اگر اس کام کی کوئی اجرت لے

مثلاً یکہ والوں سے یہ کہہ کر کہ تمھارا یکّہ پاس کرادوں گا اور اس کام کا اتنا معاوضہ لوں گا اور پاس کرادیا تو جو معاوضہ ٹھہرا، لے سکتا ہے کہ یہ اپنے کام کا بدلہ ہے اور اس میں حرج نہیں معلوم ہوتا۔

(ج:۴، ص:۱۵۶، کتاب الحظر والاباحۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

ایک سوال یہ ہوا کہ جو ادارہ یا فرد، حکومت یا کسی پرائیویٹ کمپنی کی طرف سے مقررہ شرائط پوری نہ کرے اور رشوت دے کر اپنا کام بنائے تو کیا حکم ہے۔

ایک مندوب کی جانب سے یہ **سوال** بھی ہوا کہ کچھ صوبوں کے مدارس اسلامیہ میں نئے مدرس و ملازم کی تقرری کے لیے منیجران خطیر رقم لیتے ہیں اور وہ رقم یا تو خود ہضم کر جاتے ہیں یا بعض اوقات مدرسہ کی تحویل میں بھی دیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

اس کے **جواب** میں بہ اتفاق رائے کہا گیا جو ادارہ یا فرد حکومت یا کسی پرائیویٹ کمپنی کی مقررہ شرائط پوری نہ کرے تو اسے رشوت دے کر اپنا کام بنانا حرام و گناہ ہے کہ یہ فریب اور احقاق باطل کے زمرے میں ہے، اسی طرح وہ جو بعض صوبوں میں ہو رہا ہے کہ کسی نئے مدرس و ملازم کی تقرری کے لیے مجلس انتظامی کے منیجر ایک خطیر رقم امیدوار سے وصول کرتے ہیں۔ تو یہ رقم بھی رشوت ہے اور حرام۔ اور دینے والا اگر مستحق نہیں تو اس کا دینا بھی رشوت ہے۔ اور ایسے مدرس یا ملازم کی تقرری ہرگز ہرگز جائز نہیں، کہ یہ ابطال حق بھی ہے اور احقاق باطل بھی، جو یقیناً رشوت ہے۔

رد المحتار میں ہے: الرشوة بالكسر: ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره ليحكم له أو يحمله على ما يريد.

(ج:٨، ص:٣٤، كتاب القضاء)

فیض القدیر میں ہے: الرشوة المحرمة: ما يتوصل به إلى إبطال حق أو تمشية باطل. (ج:٥، ص:٢٦٨) والله تعالى أعلم

چھٹی نشست

۱۷؍صفر ۱۴۳۵ھ/۲۱؍دسمبر ۲۰۱۳ء سنیچر-بعد مغرب تا نصف شب

موضوع: فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع سرمایے کی زکاۃ

اس موضوع پر لکھے گئے مقالات کا خلاصہ تقریباً گیارہ بجے شب تک سنا گیا پھر بحث کا آغاز ہوا، مگر سیمینار کا وقت ختم ہو چکا تھا اس لیے مختصر بحث کے بعد کارروائی موقوف کر دی گئی۔

اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق تھا کہ چک مال نہیں اس لیے اس کا حیلۂ شرعیہ نہیں ہو سکتا اور "فارن کرنسی اکاؤنٹ" سے زیادہ تر چک ہی وصول ہوتا ہے۔ اس بنا پر یہ طے ہوا کہ کوئی شرعی حل تلاش کیا جائے۔

راقم الحروف نے ایک آسان حل یہ پیش کیا کہ مدرسہ کے ناظم زکاۃ کی رقم بھیجنے والوں کی زکاۃ ادا کرنے کے وکیل ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے پاس سے یا کسی بھی صاحب ثروت سے کاؤنٹ میں جمع سرمایے کی مقدار رقم لے کر تملیک فقیر کریں اور وہ فقیر قبضہ کرنے کے بعد ناظم کو واپس کر کے مالک بنا دے اس طرح مؤکل کی زکاۃ ادا ہو جائے گی اور ناظم کو اپنی دی ہوئی رقم بھی واپس مل جائے گی البتہ اس طرز عمل سے مؤکل کے ذمہ ناظم کا قرض عائد ہوگا اسے ناظم خوش دلی کے ساتھ معاف کر دے۔ اس کی اصل فقہ کا یہ جزئیہ ہے:

رد المحتار میں ہے:

الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهمَ الموكل و دفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم الموكل صحّ، بخلاف ما إذا أنفقها أوّلاً على نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع.

(ج٢ ص ٢٩٣، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً، دار الفكر)

بہار شریعت میں ہے:

زکاۃ دینے والے نے وکیل کو زکاۃ کا روپیہ دیا، وکیل نے اسے رکھ لیا، اور اپنا روپیہ زکاۃ میں دے دیا تو یہ جائز ہے اگر یہ نیت ہو کہ اس کے عوض مؤکل کا روپیہ لے لے گا۔ (ج۵، ص۲۰)

اس حل پر مندوبین کا اتفاق ہے کہ فارن کرنسی اکاؤنٹ کے چیک کے ذریعہ جو سامان خریدے جائیں ان کی تملیک مستحق کو کر دی جائے پھر وہ ادارے کو اپنی جانب سے ہبہ کر دے تو سرمایے والے کی زکاۃ ادا ہو جائے گی — وقت کم ہونے کے باعث مزید صورتوں پر غور وخوض آئندہ کے لیے ملتوی کیا گیا۔

ہلال رمضان

ہلال رمضان سے متعلق مقالات موصول ہوئے ان کی تلخیص بھی ہوگئی مگر مذاکرات کے لیے وقت نہ رہا اس لیے اُسے آئندہ کے لیے ملتوی کیا گیا۔ اس سے قبل استفاضہ کے ذریعہ ثبوت ہلال سے متعلق کئی سیمیناروں میں بحثیں اور فیصلے ہو چکے ہیں جن کے باعث قُضاۃ اور عامۂ مسلمین کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے سہولت بھی حاصل ہوئی۔ واقف کار حضرات طے شدہ پابندیوں کے ساتھ اس پر عمل کریں۔☆